وَلاَ تُبَاشِرُوْاهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِی الْمَسَاجِدِ

احکام اعتکاف

اعتکاف، شب قدر، الوداع، عیدین اور رویت ہلال کے شرعی احکام

افادات

حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

انتخاب وترتیب

محمد زید مظاہری، ندوی

ناشر

ادارہ افادات اشرفیہ، دوبگّا، ہردوئی روڈ لکھنؤ

تفصیلات

نام کتاب احکام اعتکاف

افادات حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

مرتب مفتی محمد زید مظاہری ندوی

صفحات ۱۱۲

قیمت

اشاعت دوم ۱۴۳۱ھ

ویب سائٹ............WWW.alislahonline.com

ملنے کے پتے

☆ دیوبند وسہارنپور کے تمام کتب خانے

☆ مکتبہ ندویہ ندوۃ العلماء لکھنو فون نمبر 0522-2741225

☆ مکتبہ اشرفیہ، اشرف المدارس ہردوئی

☆ مکتبہ رحمانیہ، ہتورا، باندہ

فہرست احکام اعتکاف

باب۲
آداب اعتکاف

باب۳
شب قدر

باب۴
الوداع کی شرعی حیثیت

باب۵
احکام عید الفطر

باب۶
صدقۃ الفطر

باب ۷
عید اور اس کے متعلقات

باب ۸
رویت ہلال اور اس کے متعلقات

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ کی تعلیمات کے متعلق حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ کا

ارشاد گرامی

ارشاد فرمایا:

حضرت مولانا تھانویؒ نے بہت بڑا کام کیا ہے، (کہ دین کے تمام شعبوں کو زندہ کیا، چنانچہ ہر شعبہ کے متعلق ان کی تعلیمات موجود ہیں- مرتب) بس میرا دل یہ چاہتا ہے، تعلیم تو ان کی ہو اور طریقہ تبلیغ میرا ہو کہ اس طرح ان کی تعلیم عام ہو جائے گی ......مولانا تھانوی کے لوگوں کی مجھے بہت قدر ہے،

(ملفوظات مولانا محمد الیاس صاحبؒ ص: ۵۹، قسط ۴، ملفوظ نمبر ۵۶)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کی وفات کے موقع پر ارشاد فرمایا:

میرا جی یہ چاہتا ہے کہ......اس وقت خاص طور سے یہ مضمون پھیلایا جائے کہ حکیم الامت حضرت تھانویؒ سے تعلق بڑھانے، حضرت کے برکات سے استفادہ کرنے اور ساتھ ہی حضرت کی ترقیٔ درجات کی کوششوں میں حصہ لینے اور حضرت کی روح کی مسرتوں کو بڑھانے کا سب سے اعلیٰ اور محکم ذریعہ یہ ہے کہ حضرت کی تعلیماتِ حقہ پر استقامت کی جائے اور ان کو زیادہ سے زیادہ پھیلانے کی کوشش کی جائے۔

جتنا جتنا حضرت (حکیم الامت تھانویؒ) کی ہدایات پر کوئی چلے گا اتنا ہی بقاعدہ من دعی الی حسنة فلہ اجرھا واجر من عملھا ۔حضرتؒ کے سرمایۂ حسنات اور درجات عالیہ میں ترقی ہوگی...... یہ ایصال ثواب کا اعلیٰ طریقہ ہے۔

(ملوظات مولانا الیاس صاحب ص: ۵۷ قسط ۵، ملفوظ ۶۹)

رائے عالی

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

فاضل عزیز مولوی محمد زید مظاہری ندوی مدرس جامعہ عربیہ ہتورا (بارك الله فی حیاته وفی افادته) نے جو حضرت حکیم الامت کے افادات وارشادات اور تحقیقات ونظریات کو مختلف عنوانوں اور موضوعات کے ماتحت اس طرح جمع کررہے ہیں کہ حضرت کے علوم وافادات کا ایک دائرۃ المعارف (انسائیکلوپیڈیا) تیار ہوتا جارہا ہے......

ان خصوصیات اور افادیت کی بنا پر عزیز گرامی قدر مولوی محمد زید مظاہری ندوی نہ صرف تھانوی اور دیوبندی حلقہ کی طرف سے بلکہ تمام سلیم الطبع اور صحیح الفکر حق شناسوں اور قدر دانوں کی طرف سے بھی شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں۔

اور اسی کے ساتھ اور اس سے کچھ زیادہ ہی داعی الی اللہ اور عالم ربانی مولانا قاری سید صدیق احمد باندوی سرپرست جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی) اس سے زیادہ شکریہ اور دعاء کے مستحق ہیں جن کی سرپرستی اور نگرانی، ہمت افزائی اور قدر دانی کے سایہ میں ایسے مفید اور قابل قدر کام اور ان کے زیر اہتمام دانش گاہ اور تربیت گاہ میں انجام پارہے ہیں۔ اطال الله بقائه وعمم نفعه جزاه الله خیرا۔

ابوالحسن علی ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رائے بریلی ۱۷/ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ

رائے عالی

عارف باللہ حضرت مولانا سید صدیق احمد صاحب باندوی رحمۃ اللہ علیہ
بانی جامعہ عربیہ ھتورا باندہ (یوپی)

نحمده ونصلی علی رسوله الکریم

حکیم الامت حضرت مولانا ومقتدانا الشاہ اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں بزمانہ طالب علمی اکابر امت نے اس کا اندازہ لگالیا تھا کہ آگے چل کر مسند ارشاد پر متمکن ہوکر مرجع خلائق ہوں گے اور ہر عام وخاص ان کے فیوض وبرکات سے متمتع ہوں گے۔ چنانچہ حضرت اقدس کے کارہائے نمایاں نے اساطین امت کے اس خیال کی تصدیق کی، کہنے والے نے سچ کہا ہے۔ ''قلندر ہرچہ گوید دیدہ گوید''

خداوند قدوس نے حضرت والا کو تجدید اور احیاء سنت کے جس اعلیٰ مقام پر فائز فرمایا تھا اس کی اس دور میں نظیر نہیں۔

آج بھی مخلوق حضرت کی تصنیفات وارشادات عالیہ اور موعظ حسنہ سے فیضیاب ہورہی ہے، حضرت کے علوم ومعارف کے سلسلہ میں مختلف عنوان سے ہندو پاک میں کام ہورہا ہے، لیکن بجا طور پر کہا جاسکتا ہے کہ اللہ پاک نے محض اپنے فضل سے عزیزی مولوی مفتی محمد زید سلمہ مدرس جامعہ عربیہ ہتورا کو جس نرالے انداز سے کام کی توفیق عطا فرمائی اس جامعیت کے ساتھ ابھی تک کام نہیں ہوا تھا اس سلسلہ کی تین درجن سے زائد ان کی تصانیف ہیں۔ بارگاہ ایزدی میں دعا ہے کہ اس کو قبولیت تامہ عطا فرمائے اور مزید توفیق نصیب فرمائے۔

احقر صدیق احمد غفرلہ
خادم جامعہ عربیہ ہتورا باندہ (یوپی)

عرض مرتب

اسلام بے شک ایک سچا اور سب سے آخری، ابدی مذہب ہے، اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس مذہب کے علاوہ اب کوئی دوسرا مذہب مقبول نہیں "اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الاِسْلَام" اس مذہب کے مقتدا و پیشوا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے سچے اور سب سے آخری نبی ہیں چنانچہ جب تک دنیا قائم ہے، آپ ہی کا لایا ہوا دین معتبر ہوگا، اس کے سوا تمام مذاہب منسوخ ہیں، چونکہ اللہ تعالی کو یہ بات منظور تھی کہ قیامت تک اب اسی دین پر عمل کیا جائے، اور اب کوئی نبی نئی شریعت لے کر نہیں آئے گا، اس لیے اللہ تعالی نے اس دین سماوی کی حفاظت کا پورا انتظام فرمایا، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بشارت سنائی کہ اللہ تعالی ہر صدی میں میری امت میں ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو دین کی تجدید کردے گا۔ (ابوداؤد بروایت ابوہریرہؓ)

تجدید دین کا مطلب یہ ہے کہ دین حق کو نکھار کر امت کے سامنے پیش کردے، حق کو باطل سے ممتاز کردے اور دین وشریعت میں جو لوگوں نے افراط وتفریط کر رکھی ہے اس کو اعتدال پر لانے کی کوشش کرے، ان ہی مجددین میں ہمارے اکابر میں سے ایک بزرگ حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں جن کی مجددیت پر ایک بڑی جماعت کا اتفاق ہے نیز آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے خود اس پر شاہد ہیں کہ اللہ تعالی نے آپ کو تجدید دین کے لیے پیدا فرمایا تھا، آپ نے دین کے تمام شعبوں میں جہاں ضرورت سمجھی تجدیدی واصلاحی کاوش فرمائی تصنیف وتالیف کے ذریعہ بھی اور وعظ وتقریر کے ذریعہ بھی، دین کے تمام شعبوں یعنی عقائد، عبادات، معاملات، معاشرت اخلاق، سیاست وحکومت نیز عبادت کے مختلف انواع

یعنی نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج وغیرہ میں ہر شعبہ سے متعلق آپ کے اصلاحی وتجدیدی کارنامے آپ کے ملفوظات، مواعظ، تصانیف، فتاویٰ، مقالات میں بکھرے پڑے ہیں، ضرورت ہے کہ امت ان سے مستفید ہو۔

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور اس کی توفیق سے احقر نے یہ کوشش کی تھی کہ دین کے جملہ شعبوں سے متعلق حضرت حکیم الامتؒ کی جو بھی خدمات ہزاروں صفحات میں منتشر ہیں ان کو موضوع وار یکجا مرتب اور کتابی شکل میں کردیا جائے تاکہ اس سے استفادہ آسان ہو، چنانچہ عبادات، معاملات، معاشرت، سیاست، وغیرہ موضوعات پر متعدد مجموعے شائع ہوچکے ہیں۔

زیرنظر مجموعہ بھی اسی سلسلہ کی ایک اہم کڑی ہے، رمضان المبارک، روزہ، تراویح، اعتکاف وغیرہ سے متعلق حضرت اقدس تھانویؒ نے اپنی پوری زندگی میں جو اصلاحات فرمائی تھیں، احقر نے اپنی کوشش کی حد تک ان سب کو مرتب طور پر جمع کرنے کی کوشش کی ہے، اور آسانی کے لیے ان کو تین بلکہ چار رسالوں میں منقسم کیا ہے، ''احکام رمضان المبارک'' میں تو رمضان اور روزہ، افطار، وسحر وغیرہ سے متعلق مضامین جمع کئے ہیں، ''احکام اعتکاف'' میں اعتکاف کے علاوہ شب قدر، الوداع، عیدین اور رویت ہلال کے متعلق مضامین مذکور ہیں، اور تراویح میں ختم قرآن سے متعلق ضروری احکام علیحدہ رسالہ میں ''تحفہ حفاظ'' کے نام سے جمع کردیئے گئے ہیں، نیز حقوق القرآن سے متعلق ضروری مضامین بھی علیحدہ رسالہ میں ''حقوق القرآن'' کے نام سے مرتب ہوچکے ہیں۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے اس معمولی کوشش کو قبول فرمائے اور امت کی اصلاح وہدایت کا ذریعہ بنائے، آمین یارب العالمین۔

محمد زید مظاہری ندوی

استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ ۲۰؍جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمد الله و نصلی علی رسوله الکریم!

باب ۱

رمضان کی تیسری عبادت اعتکاف

رمضان میں ایک تیسری عبادت اور بھی ہے یعنی رمضان المبارک کے اخیر دس دن میں اعتکاف، یہ ایسی سنت ہے کہ سب کے ذمہ اس کا ادا کرنا ضروری ہے، لیکن اگر بستی میں ایک شخص اعتکاف کرلے تو سب کی طرف سے کافی ہے (ورنہ سب گنہگار ہوں گے)۔

اور اعتکاف اسی کو کہتے ہیں کہ یہ ارادہ کرکے مسجد میں پڑا رہے کہ اتنے دن تک پیشاب یا پاخانہ وغیرہ کی مجبوری کے بغیر یہاں سے نہ نکلوں گا، اور روزہ اور تراویح کی طرح اس میں بھی نفس کی ایک پیاری چیز چھوٹتی ہے یعنی کھلے مہار (آزاد ہوکر گھومنا) پھرنا، اور اسی طرح اس میں بھی دکھلاوا نہیں ہوسکتا، کیوں کہ کسی کو کیا خبر کہ مسجد میں کسی خاص نیت سے بیٹھا ہے یا ویسے ہی آ گیا ہے۔

علی بن حسین رضی اللہ عنہ اپنے باپ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص رمضان میں دس روز کا اعتکاف کرے اس کو دو حج اور دو عمرہ جیسا ثواب ہوگا۔ (بیہقی)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

نے اعتکاف کرنے والے کے حق میں فرمایا کہ وہ تمام گناہوں سے رکا رہتا ہے، اور اس کو ثواب ایسا ملتا ہے جیسے کوئی تمام نیکیاں کر رہا ہو۔ (مشکوٰۃ از ابن ماجہ)

اور ایک فضیلت اس میں یہ بھی ہے کہ اس میں مسجد میں حاضر رہنا پڑتا ہے اور حدیث شریف میں مسجد میں رہنے کی بہت بڑی فضیلت آئی ہے۔

البتہ عورتیں گھر ہی میں اپنی نماز پڑھنے کی جگہ اعتکاف کریں[1]

اعتکاف کی روح:

اعتکاف کی غرض ایک تو شب قدر کی تلاش ہے، دوسری غرض جماعت کا انتظار کرنا ہے۔ تیسری روح اعتکاف کی یہ ہے کہ معتکف نے گویا اپنے کو مسکین وخوار بنا کر بادشاہ کے دروازہ پر حاضر کر دیا ہے، اپنی محتاجی ظاہر کر رہا ہے کہ اب تو آپ کے دروازہ پر پڑا ہوں چاہے نکالیے چاہے بخش دیجئے۔ یہ شان ہے فنا کی۔

اور اس کو اعتکاف کی روح اس لیے کہا کہ اعتکاف اور کسی عبادت پر موقوف نہیں اگر دربار میں حاضری دے کر ہر وقت پڑا سوتا رہے تب بھی اس کو اعتکاف کا پورا ثواب ملے گا یہ دروازہ پر پڑا رہنا ہی بڑی چیز ہے یہی وہ چیز ہے کہ مردود کو مقبول بنا دیتی ہے۔

ایک حکایت:

بوستاں میں ایک بزرگ کی حکایت لکھی ہے کہ ایک دن ان کے کان میں غیب سے آواز آئی کہ تمہاری کوئی عبادت ہمارے یہاں قبول نہیں، ان کے ایک مرید بھی اس وقت ان کے پاس تھے، انھوں نے یہ آواز سن لی، آج کل ایسا واقعہ ہو تو پیر نہایت ہی شرمندہ ہو، مگر اس وقت نہ پیر ایسے تھے اور نہ مرید، شیخ پھر بدستور اپنے کام کو چلے، لوٹا لے کر وضو کرنے لگے اور مصلی پر جا کر کھڑے ہوئے، مرید نے محبت کی وجہ سے

[1] حیوۃ المسلمین ص ۲۴۸۔

کہا: اجی حضرت! جب وہاں قبول ہی نہیں تو بس جایئے آرام کیجئے، کیوں مصیبت جھیلیں، پیر نے کہا بیٹا اگر اور کوئی در ہوتا تو اس کو چھوڑ کر چلا جاتا، میرا تو یہی در ہے اسے چھوڑ کر کہاں جاؤں، اور یہ کہا کہ اگر طاعت قبول نہیں ہوتی تو نہ ہونے دو (پھر جاؤں کہاں اس کے علاوہ کوئی اور دروازہ بھی تو نہیں) فوراً اسی وقت آواز آئی کہ تمہاری عبادت اگر چہ قبول ہونے کے قابل نہیں مگر اس لیے قبول ہے کہ تمہارے سامنے ہمارے علاوہ کوئی پناہ گاہ نہیں، یعنی اگر چہ تمہاری عبادت قابل قبول نہیں مگر جب اور کوئی دروازہ ہی نہیں تو جاؤ قبول کر لی، کیا ٹھکانہ ہے ان کی رحمت کا۔[۱]

اعتکاف کے مسنون ہونے کی دلیل

وَلَاتُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِیْ الْمَسَاجِد.

(تم اپنی بیوی سے مباشرت مت کرو جس وقت تم مسجد میں معتکف ہو)

اس آیت سے اعتکاف کا سنت ہونا معلوم ہوتا ہے، کیوں کہ اصل یہی ہے کہ جو چیزیں فرض اور واجب نہیں ہیں ان کے صرف آداب قرآن میں مذکور ہیں۔

اس آیت میں اعتکاف کے آداب تو بتلائے مگر اس کے فرض اور واجب ہونے سے سکوت فرمایا، اس میں اس طرف اشارہ ہوگیا کہ اعتکاف واجب نہیں ورنہ اور مامورات اور واجبات کی طرح اس کے لیے بھی وجوب کا صیغہ استعمال فرماتے، مگر اس کے آداب واحکام کے ذکر فرمانے سے اس کا مہتم بالشان ہونا بھی قرآن میں مذکور ہے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اعتکاف فرمایا جیسا کہ احادیث میں آیا ہے، آپ کا فعل سنت ہونے کو بتلاتا ہے، اور واجب نہ ہونا قرآنی سیاق سے معلوم ہو چکا، پس اعتکاف کا سنت ہونا اس طرح قرآن سے ثابت ہو چکا، اس لیے محققین کا مذہب ہے کہ اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے۔[۲]

---

[۱] اجر الصیام من غیر انصرام، التبلیغ ۹۲/۱۹، کمالات اشرفیہ ۱۶۵/۳۔ [۲] روح الجوارص ۲۷۴۔

اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے

محققین کے نزدیک اعتکاف سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اگر ایک کرلے تو سب کے سر سے بوجھ اتر جائے گا، ایک کرلے تو اس کی برکت دوسروں کو بھی پہنچ جائے گی اور وہ بھی محروم نہ رہیں گے جیسے بہت سے لوگوں کی برکت سے ایک کو نوازا جاتا ہے ویسے ہی ایک کی برکت بہت سے لوگ بھی نوازے جاتے ہیں، معتکف تو ایک ہے اور اس کی برکت پورے گاؤں والوں کو پہنچ رہی ہے، یہی مطلب ہے سنت علی الکفایہ ہونے کا، اور اس کا یہ مطلب نہ سمجھنا کہ ایک پر سب کا بوجھ لد جائے گا، بلکہ ایک کی برکت سے سب کا بوجھ اتر جائے گا۔[1]

اعتکاف کی حقیقت

اعتکاف ایک مفید اور آسان مجاہدہ ہے:

شہوت اور تکبر تمام مفاسد کی جڑ ہیں، ان دونوں سے نفس کا تزکیہ ضروری ہے، شریعت نے بھی ان کی تعدیل کی ہے، حکماء (اور جوگیوں) نے بھی اس کے لیے بڑے بڑے مجاہدے کئے ہیں، اس کے لیے اسباب ذلت اختیار کرتے تھے اور اس کی مدد کے واسطے خلوت (یعنی تنہائی) میں رہتے تھے، لوگوں سے ملنا جلنا ترک کردیتے تھے اور اس میں بھی بہت مبالغہ کرتے تھے اور مقصود ان کا صرف یہی تھا کہ نفس مہذب ہوجائے۔

شریعت نے بھی ان دو خصلتوں (یعنی شہوت اور تکبر) کی تعدیل کی ہے اور اس کے لیے حکماء سے زیادہ سہل اور نفع بخش طریقے تجویز کیے ہیں۔

منجملہ ان کے ایک مجاہدہ خلوت (یعنی تنہائی) میں رہنا تھا جو تمام مجاہدات کے

---

[1] روح الجوارص ۲۷۵ ملحقہ برکات رمضان۔

لیے معین ومددگار ہے، حکماء کے یہاں تو برسوں بلکہ عمر بھر کی خلوت تھی (نہ کسی سے ملنا جلنا نہ تعلقات قائم کرنا) ظاہر ہے کہ اس میں سخت حرج ہے اور تعلقات اور تمدن کے نظام کو درہم برہم کرنا ہے۔

سبحان اللہ! شریعت نے اس میں عجیب رعایت رکھی ہے کہ صرف دس دن کی خلوت مقرر فرمائی ہے اور اس کا نام اعتکاف رکھا اور اس میں بھی یہ نہیں کیا کہ بالکل نہ کسی سے بولو نہ ملو، بلکہ اس میں ایسا اچھا طریقہ بتلا دیا کہ اس میں خلوت (یعنی تنہائی میں رہنے) کا جو نفع ہے وہ بھی باقی رہے اور جو لوگ وہاں آئیں ان سے ملنے میں کچھ حرج بھی نہ ہو، وہ یہ ہے کہ شریعت نے یہ تعلیم دی ہے کہ مسجد کے علاوہ اور کہیں اعتکاف جائز نہیں اور ظاہر ہے کہ مسجد میں اپنے ہم جنس (اور دیندار لوگ) ہی آئیں گے اور مطلوب تو غیروں سے بچنا ہے۔

ہمارے حضرت حاجی صاحب فرمایا کرتے تھے کہ ''خلوت از اغیار نہ از یار'' یعنی خلوت تو غیروں سے ہوتی نہ کہ اپنوں سے، پس خلوت (اور علیحدگی) ان لوگوں سے ہے جو دین کے رہزن ہیں (اور جن سے ملنا جلنا دین کے لیے مضر ہے) باقی جو دین میں معین اور مفید ہے ان کے پاس بیٹھنا تو خلوت سے بہتر ہے، ایسی خلوت پر جلوت کو ترجیح ہے۔[1]

پھر وہ دس دن کا اعتکاف ایسے دنوں میں ہے کہ اس عشرہ میں ایک رات ہزار مہینوں سے بہتر ہے یعنی ہزار مہینے اگر ریاضت ومجاہدہ کرے تو وہ بات نصیب نہیں ہوتی جو اس ایک رات میں ہو جاتی ہے۔[2]

---

[1] التہذیب ملحقہ فضائل صوم وصلوٰۃ ص ۵۲۷ و ۵۲۸۔ [2] التہذیب ص ۵۲۸۔

اعتکاف کی فضیلت

اعتکاف کی ایک بہت بڑی فضیلت یہ ہے کہ معتکف (یعنی اعتکاف کرنے والے) کو ایام اعتکاف میں ہر وقت وہی ثواب ملتا ہے جو کہ نمازی کو نماز میں ملتا ہے اس کی دلیل یہ ہے کہ حدیث شریف میں ہے:

لایَزَالُ اَحَدُکُمْ فِیْ الصَّلٰوۃِ مَا انتَظَرَ الصَّلٰوۃَ.

جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر مسجد میں بیٹھ کر نماز کا انتظار کیا ہے تو انتظار کے وقت میں بھی وہی ثواب ملتا ہے جو ثواب نماز ادا کرنے میں ملتا ہے اور ظاہر ہے کہ معتکف جب ہر وقت مسجد میں رہے گا تو اس کو تو اس نماز کا انتظار ضرور رہے گا، اگر یہ سوئے گا تب بھی اس نیت سے کہ اٹھ کر فلاں نماز پڑھنی ہے، کوئی بھی کام کرے گا تو اس نیت کے ساتھ کہ فلاں نماز تک یہ کام ہے (اس کے بعد نماز پڑھنا ہے) غرض کہ اس کا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا اور ہر ہر حرکت نماز کے حکم میں لکھی جائے گی۔ (احکام العشرۃ الاخیرہ ص۳۸۱)

حدیث شریف میں ہے: المُعْتَکِفُ یَعْتَکِفُ الذُّنوُبَ کلَّھاَ وَیجرِیْ لہٗ الْحَسَنَاتُ کُلُّھَا.

اس حدیث پاک میں (الحسنات) میں الف لام استغراق کا ہوسکتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ معتکف اپنے ایام اعتکاف میں گویا ہر نیکی کر رہا ہے، اس کو سب نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جب نماز کا انتظار کرنا نماز کے حکم میں ہے اور اعتکاف کرنے والا نماز کے انتظار میں ہوتا ہے تو وہ نماز پڑھنے والے کے حکم میں ہوا، اور نماز ام العبادات (یعنی سب سے بڑی عبادت اور تمام عبادتوں کی جامع) ہے تو اس کا ادا کرنے والا گویا تمام عبادتیں کر رہا ہے۔

پس اعتکاف کرنے والا اعتکاف کی حالت میں سب عبادتیں حاصل کر رہا ہے۔

صاحبو! اس سے زیادہ اور کیا فضیلت ہوگی۔ (احکام العشرۃ الاخیرہ ص۳۸۲)

اعتکاف کے دو درجے: کامل اور ناقص

اعتکاف کے دو درجے ہیں ایک درجہ تو کمال کا ہے وہ تو یہ ہے کہ رمضان کی بیس تاریخ کو مغرب سے پہلے اعتکاف میں بیٹھے اور عید کا چاند دیکھ کر باہر نکلے۔

اور دوسرا درجہ اس سے کم ہے اور وہ یہ کہ دس دن سے کم اعتکاف ہو، لیکن یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ اگر کامل درجہ حاصل نہ ہو تو ناقص درجہ کے حاصل کرنے سے فضیلت حاصل نہیں ہوتی۔ اگر اس قدر نہ ہوگی تو کچھ تو ضرور ہی ہو جائے گی۔

صاحبو! اگر دس دن ممکن نہ ہو سکے تو نو دن سہی، اس قدر بھی نہ ہو سکے تو سات دن سہی (تین دن، دو دن سہی) غرض جس قدر بھی ہو سکے اور جتنے دن بھی ہو سکے چھوڑنا نہ چاہئے۔[۱]

الغرض اعتکاف کے مختلف درجات ہیں اگر پوری فضیلت حاصل کرنا ہو تو دس دن کا اعتکاف کرنا چاہئے یعنی جب تک عید کا چاند نہ نکل آئے، اگر تیس کا چاند ہے تو دس دن ہوں گے اور اگر انتیس کا ہے تو نو ہی دن ہوں گے، مگر شارع کی کیا رحمت ہے کہ دونوں صورتوں میں ثواب دس دن ہی کا ہوگا اور یوں تو ایک دن کا بلکہ ایک گھنٹہ کا بھی اعتکاف ہو سکتا ہے۔[۲]

اعتکاف کی بڑی فضیلت یہ بھی ہے کہ معتکف کو تمام گناہوں کو چھوڑنے کا ہر وقت ثواب ملتا ہے

شریعت میں اعتکاف کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے اور اس کی ترغیب دی گئی ہے چنانچہ حدیث شریف میں ہے:

۱ احکام العشرۃ الاخیرہ ص۲۲۴۔ ۲ روح الجوارص ۲۲۴۔

اَلْمُعْتَكِفُ يَعْتَكِفُ الذُّنُوْبَ كلها وَيجرِیْ لهٗ الْحَسَنَاتُ كَعَامِلِ الحَسَنَاتِ كُلِّهَا . (رواہ ابن ماجہ)

یعنی معتکف تمام گناہوں سے الگ رہتا ہے اور تمام طاعات کا ثواب اس کے لیے لکھا جاتا ہے۔

اس میں بظاہر ایک اشکال ہوتا ہے وہ یہ کہ اگر کوئی شخص اعتکاف نہ کرے اور ویسے ہی گھر کو بند کر کے خلوت اختیار کرے (یعنی تنہا رہے) تو وہ بھی تو گناہوں سے بچ سکتا ہے، پھر اعتکاف ہی کی اس میں کیا خصوصیت ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ گناہوں کو چھوڑنے کی دو قسمیں ہیں اور ہر ایک کا حکم جدا ہے، سو ایک چھوڑنا تو اصل کے اعتبار سے ہے یعنی گناہ معدوم ہے اس طرح کہ چھوڑنے کا ارادہ نہ کیا ہو بلکہ گناہ کا موقع ہی نہ ہو، اس لیے چھوٹا ہوا ہو۔

اور ایک گناہ چھوڑنا اس طرح ہوتا ہے کہ اپنے ارادہ سے چھوڑنا ہو، یعنی چھوڑنے میں ارادہ بھی شامل ہو سو پہلی قسم ہو تو اس میں کوئی ثواب نہیں اس لیے کہ ثواب تو اس وقت ہوتا ہے جب کہ چھوڑنے کا ارادہ بھی ہو اور دوسری قسم میں ثواب ہوتا ہے یعنی کسی گناہ کی طرف التفات ہو اور اس سے اپنے کو روک لیا، اس پر ثواب ملتا ہے یہ تو عام قاعدہ ہے۔

لیکن اعتکاف میں یہ خصوصیت ہے کہ معتکف کو تمام تروک (یعنی تمام قسم کے گناہوں کے چھوڑنے) پر ثواب ملتا ہے گو اس کے ذہن میں بھی نہ ہو، اور ان کے چھوڑنے کا ارادہ بھی نہ کیا ہو، بس اعتکاف کی یہ خصوصیت ہے جو مطلق اعتکاف میں نہیں، جس کی وجہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جن نیکیوں پر یہ قادر تھا اور اعتکاف کی وجہ سے نہیں کر سکتا گو اس نے اس کی نیت بھی نہ کی ہو ان سب کا ثواب اس

کے نامۂ اعمال میں لکھا جاتا ہے، اور اس عموم کی دلیل ''الحسنات کلھا'' کا عموم ہے، پس جب معتکف کے لیے تمام نیکیوں کا ثواب لکھا جاتا ہے تو اس سے پہلے جملہ کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام گناہوں سے بچنے کا ثواب بھی لکھا جاتا ہے، گو اس نے ان سے بچنے کی نیت کی ہو یا نہ کی ہو۔[۱]

معتکف کے لئے اس قدر ثواب کیوں ہے

اس کی وجہ غالبًا یہ ہے کہ اعتکاف میں عبدیت زیادہ ہے کہ اور لوگ تو کھانے کمانے اور سیر و تفریح (بیوی بچوں اور دوست واحباب) میں مشغول ہیں اور معتکف ان کے دروازہ پر پڑا ہے اور زبان حال سے یوں کہہ رہا ہے ؎

خسرو غریب است وگدا افتادہ در کوئے شما
شاید کہ از بہر خدا سوئے غریباں بنگری

ترجمہ:۔ خسرو پردیسی بھی ہے اور فقیر بھی (محض اس امید پر) آپ کی گلی میں آ کر پڑ گیا، کہ شاید خدا کے واسطے آپ غریبوں کی طرف نگاہ کرم فرمالیں۔

اگر معتکفین اس شعر کے مضمون کو مستحضر رکھیں تو اعتکاف میں ان کو ایک خاص کیفیت حاصل ہوگی، بلکہ کبھی کبھی اس شعر کو پڑھ لیا کریں تو اور اچھا ہے (ورنہ مضمون ہی کو ذہن میں تازہ کرلیا کریں)۔[۲]

---

۱ تقلیل الاختلاط ملحقہ برکات رمضان ص:۳۵۳-۳۵۴۔
۲ تقلیل الاختلاط ملحقہ برکات رمضان ص ۳۵۶۔

اعتکاف کے محاسن وفضائل

اعتکاف میں خلوت جلوت دونوں کے فوائد موجود ہیں

کثرت اختلاط (یعنی لوگوں سے زیادہ ملنے) کے مفاسداور قلت اختلاط (کم ملنے) کے فوائد معلوم ہیں، تواب سنئے کہ شریعت نے قلت اختلاط کی کیا صورت تجویز کی ہے۔شریعت نے قلت اختلاط کی صورت اعتکاف تجویز کی ہے اور رمضان میں اس کا خاص اہتمام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اخیرعشرہ میں اعتکاف کرنا سنت مؤکدہ علی الکفایہ ہے، اس لئے رمضان سے اس کو بھی خاص تعلق ہے۔

تقلیل اختلاط کی یہ ایسی صورت ہے کہ کوئی صاحب ریاضت اس کی نظیر نہیں دکھلا سکتا، اعتکاف میں وہ مفاسد نہیں جو محض خلوت (گوشہ نشینی) میں ہوتے ہیں اور نہ وہ مفاسد ہیں جو اختلاط میں ہوتے ہیں، کیوں کہ معتکف خلوت میں بھی ہے اور جلوت میں بھی، یہ ریاضت (ومجاہدہ) خلوت وجلوت دونوں کو جامع ہے، ایسی ریاضت جو دونوں کو جامع ہو، کسی صاحب ریاضت کے خواب میں بھی نہ آئی ہوگی۔

اہل اختلاط نے عزلت (یعنی خلوت وگوشہ نشینی) میں ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ اس سے تعلیم وتعلم کا سلسلہ بند ہوتا ہے۔تو یہ خرابی اعتکاف میں نہیں کیوں کہ معتکف کو تعلیم وتعلم سے منع نہیں کیا گیا اور چونکہ اعتکاف مسجد میں ہوتا ہے جہاں اہل علم آتے رہتے ہیں اس لئے معتکف کو تعلیم وتعلم میں کوئی دقت نہیں ہوسکتی۔

ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت میں جماعت کے ثواب سے محروم ہوجاتا ہے اعتکاف اس سے بھی منزہ (یعنی پاک) ہے، کیوں کہ اعتکاف کے لئے مسجد میں جماعت شرط ہے، معتکف سے زیادہ تو جماعت کا ثواب کسی کو مل ہی نہیں سکتا وہ تو ہر نماز

میں تکبیرِ اولی کو پاتا ہے اور ہر وقت جماعت کے انتظار میں رہتا ہے اور انتظارِ جماعت کا ثواب بھی جماعت کے برابر ہے۔

اور ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت (یعنی گوشہ نشینی) میں بزرگوں کے فیض سے محروم ہو جاتا ہے، اعتکاف اس سے بھی منزہ ہے کیوں کہ یہ شخص پانچوں وقت نمازیوں سے ملتا ہے جس میں بعض اولیاء بھی ہوتے ہیں۔

ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت میں صرف اپنے اعمال پیشِ نظر ہوتے ہیں جس میں عجب و کبر کا اندیشہ ہے اور اختلاط میں اپنے سے افضل تواضع اعمال پر نظر رہتی ہے، تو تواضع پیدا ہوتی ہے اعتکاف میں یہ خرابی بھی نہیں کیوں کہ مسجد میں بہت سے لوگ نماز کے لئے آتے ہیں جن میں بعض بہت عبادت کرنے والے ہوتے ہیں معتکف کی نظر ان کے اعمال پر بھی پڑتی ہے تو کبر و عجب پیدا نہیں ہو سکتا۔

ایک خرابی یہ بتلائی تھی کہ عزلت (یعنی سب سے علیحدگی اختیار کرنے) سے شہرت ہوتی ہے، اعتکاف میں یہ بات بھی نہیں کیوں کہ معتکف کسی پہاڑ کی کھو میں نہیں بیٹھتا، جس سے شہرت ہو بلکہ بستی کی مسجد میں بیٹھتا ہے، جہاں سب سے ملاقات بھی ہوتی رہتی ہے اور اس کو عرف میں گوشہ نشینی اور عزلت گزینی نہیں شمار کیا جاتا، اس لئے معتکف کی شہرت بھی نہیں ہوتی، ہر سال بیسیوں لوگ اعتکاف کرتے ہیں کوئی بھی بزرگ مشہور نہیں ہوتا۔

اہلِ اختلاط نے عزلت میں ایک خرابی یہ بیان کی ہے کہ اس کی وجہ سے آدمی خدمتِ خلق کے ثواب سے محروم ہو جاتا ہے، اعتکاف اس سے بھی بری ہے کیوں کہ اس میں تمام طاعت کا جن پر معتکف قادر ہے مگر اعتکاف کی وجہ سے نہ کر سکا اس کا اس کو ثواب ملتا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے۔

اسی طرح اعتکاف میں وہ غوائل (یعنی وہ مفاسد اور خرابیاں) بھی نہیں جو محض

اختلاط (یعنی لوگوں سے ملنے جلنے) میں تھے، اختلاط (یعنی ملنے جلنے) میں ایک مضرت یہ تھی کہ اس میں اشرار (یعنی فاسقوں، بدمعاشوں اور شریروں) کی صحبت بھی بعض دفعہ ہوتی ہے اور ان کی صحبت سے دین کا نقصان ہوتا ہے، سو معتکف اس سے محفوظ ہے کیوں کہ ایسے لوگ مسجد میں آتے ہی نہیں، مسجد میں نمازی آتے ہیں اور نمازی اکثر نیک ہوتے ہیں اور اگر بعض برے بھی ہوں تو نماز کے وقت وہ نیک ہی بن جاتے ہیں، اس لئے ان کی صحبت مضر نہیں ہوتی، پھر وہ صحبت بھی طویل (یعنی بہت دیر تک) نہیں ہوتی۔ ایسے لوگ مسجد میں نماز کے بعد ٹھہرتے ہی نہیں تو صرف نماز کے وقت میں تھوڑی دیر کی صحبت ہوتی ہے، اور اس میں اشرار شر سے خالی اور نیک کام میں مشغول ہوتے ہیں۔

ایک مفسدہ یہ بتلایا گیا تھا کہ اختلاط (یعنی ملنے جلنے) میں وقت بہت ضائع ہوتا ہے، باتوں میں وقت برباد ہوتا ہے، معتکف اس سے بھی محفوظ ہے، کیوں کہ اس کے پاس باتیں کرنے والے آتے ہی نہیں، مسجد میں نماز سے فراغت کے بعد ٹھہرتا کون ہے جو معتکف سے باتیں کرے، دوست احباب بھی گھر ہی پر آتے ہیں، مسجد میں کوئی نہیں آتا۔ اس لئے معتکف کو باتیں کرنے کا موقع نہیں ملتا اور کثرت کلام کے مفاسد سے وہ محفوظ رہتا ہے اور ذکر وفکر اور تلاوت ونماز کے لئے اس کو بہت وقت ملتا ہے۔

ایک مفسدہ اختلاط میں یہ بتلایا گیا ہے کہ اس میں نگاہ کی حفاظت نہیں ہوتی (یعنی بے پردگی بدنگاہی ہوتی ہے) معتکف اس سے بھی محفوظ رہتا ہے، اس کے پاس نامحرم عورت کوئی نہیں آتی اور مسجد میں امارد (بے ڈاڑھی والے حسین وجمیل لڑکے) بھی کم آتے ہیں اور جو آتے ہیں وہ نماز کے بعد بھاگ جاتے ہیں، غرض معتکف سے ایسا اختلاط کسی سے نہیں ہوتا جس سے اس کا وقت ضائع ہو یا دوستی اور دشمنی پیدا ہو۔

اور مزہ یہ ہے کہ معتکف سے نماز کے وقت سب ملنے آتے ہیں، یہ کسی سے ملنے نہیں جاتا اور ویسے بھی کسی کو اس سے ملنا ہو تو خود ہی آئے گا، یہ کہیں نہیں جاتا تو خوب

آزاد رہتا ہے۔

غرض اعتکاف ایسی ریاضت اور ایسا مجاہدہ ہے کہ خلوت وجلوت دونوں کے منافع اس میں موجود ہیں اور دونوں کے مفاسد سے محفوظ ہے، اسی لئے شریعت میں اعتکاف کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔[1]

اعتکاف عجب وتکبر کا علاج بھی ہے

اعتکاف کے مسجد ہی میں مشروع ہونے کی حکمت

مسجدوں کو اعتکاف کے واسطے اس لئے مقرر کیا کہ معتکف کو دونوں فضیلتیں حاصل ہو جائیں، اعتکاف کی بھی اور جماعت کی بھی۔ اگر کوئی کھوہ (پہاڑ) یا جنگل یا مکان کی کوٹھری اس کے واسطے تجویز کرتے تو یہ جماعت کی فضیلت سے محروم رہ جاتا۔

نیز اس میں اس طرف ایک لطیف اشارہ ہے کہ میاں تم خود اس جماعت کی برکت کے محتاج ہو، اگر نمازی نہ ہوتے تو تم کو یہ برکت کہاں سے حاصل ہوتی، تم جماعت کی برکت سے محروم رہتے۔ پس اس طاعت میں ساتھ ساتھ عجب (خود پسندی اور تکبر) کا بھی علاج ہو گیا۔

سبحان اللہ! کیا اعتدال ہے، حکماء (اور جوگیوں) کی تجویز کردہ خلوت میں یہ باتیں کہاں، اور جب یہ معتکف اپنے کو برکات میں ان کا محتاج سمجھے گا تو اس کو تکبر نہ ہوگا، اور خلوت میں اس کی یہ نیت نہ ہوگی جو جاہلوں کی ہوتی ہے کہ وہ اس لئے خلوت (یعنی تنہائی) میں رہتے ہیں تا کہ وہ لوگوں کے ضرر سے بچیں، بلکہ وہ نیت ہوگی جو محققین نے بیان فرمائی ہے کہ خلوت میں یہ نیت رکھے کہ لوگ میرے ضرر سے بچیں، غرض دوسروں کو حقیر سمجھنے کا جو مرض خلوت سے پیدا ہو سکتا ہے اس کا بھی علاج ہو گیا کہ

[1] تقلیل الاختلاط ملحقہ برکات رمضان ص: ۳۵۲ تا ۳۵۴۔

جن کو حقیر سمجھ کر الگ ہوا تھا وہی اہل برکت ہیں،۔انھیں کی بدولت اسے جماعت کی برکت حاصل ہوئی۔

نیز اس پر بھی اب اسے ناز نہ ہوگا کہ میرے اعتکاف کی وجہ سے اور لوگوں کو اس طرح برکت پہنچی کہ سب سبکدوش ہو گئے (اگر میں اعتکاف نہ کرتا تو سب گنہ گار ہوتے) کیوں کہ یہ خیال کرے گا کہ اصل میں ان لوگوں کے آنے کی وجہ سے مجھے جماعت بلکہ اعتکاف کی برکت حاصل ہوئی ۔ اور جماعت کے ہونے سے مجھ کو اعتکاف کی اجازت ہوئی (ورنہ جس مسجد میں جماعت نہ ہوتی ہو وہاں اعتکاف بھی درست نہیں) پس میرے اعتکاف کی وجہ سے گو سب لوگ سبکدوش ہو گئے لیکن یہ سبکدوشی تو صرف اس اعتکاف کا اثر ہے اور لوگوں کی جماعت میرے اعتکاف کا سبب ہے (اگر سبب یعنی جماعت نہ ہوتی تو اعتکاف نہ ہوتا) سبب ہی مؤثر ہوتا ہے، تو مؤثر ہونے میں بھی ان کا محتاج ہوا اور اصل احتیاج تو مؤثر ہی میں ہوتی ہے، تو اصل کے اعتبار سے بھی میں ہی ان کا محتاج ہوا، اور یہ پورا علاج ہے عجب وتکبر کا، سبحان اللہ! کیسی دوا ہے کہ پرہیز بھی ہے اور دوا بھی ہے۔[1]

نمازیوں اور دینداروں سے خلوت اور علیحدگی مقصود نہیں

خدا تعالیٰ نے ''فِـي الْـمَسَـاجِـدِ'' سے اس طرف اشارہ فرمادیا ہے کہ بے نمازیوں سے خلوت مقصود ہے اور نمازیوں سے خلوت مقصود نہیں ان سے تو جلوت مقصود ہے، اسی واسطے حکم ہے کہ ایسی مسجد میں اعتکاف کرو، جہاں جماعت ہوتی ہو، ایسی مسجد نہ ہو جہاں آدمی کا نام ونشان نہ ہو، اُلو بولتے ہوں۔

بہر حال فی المساجد کی قید نے صاف بتلادیا کہ خلوت فی نفسہ مقصود نہیں ہے۔

[1] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان ص ۲۷۵۔

خلوت سے مقصود یہ ہے کہ حق تعالیٰ سے مشغولی بڑھے، جب اچھا ہم نشین (یعنی نیک آدمی) کوئی ملے تو خلوت کی بہ نسبت اس کی صحبت سے حق تعالیٰ سے مشغولی زیادہ ہوتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اَلْوَحْدَةُ خَيْرٌ مِّنَ الْجَلِيْسِ السُّوْءِ وَالْجَلِيْسُ الصَّالِحُ خَيْرٌ مِّنَ الْوَحْدَةِ۔

یعنی تنہائی برے ہم نشین سے بہتر ہے اور اچھا ہم نشین تنہائی سے بہتر ہے۔

سبحان اللہ! شریعت میں کیا اعتدال ہے کہ اعتکاف میں نہ ایسی خلوت ہے کہ توحش تک نوبت آجائے (یعنی وحشت ہونے لگے) اور نہ ایسی جلوت ہے کہ مقصود حاصل نہ ہو۔[1]

اعتکاف میں آسانی

اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں، چنانچہ عین مجاہدہ کے وقت بہت سی آسانیاں ہیں چنانچہ اعتکاف میں یہ سہولت فرمائی کہ اس کو مسجد میں مشروع فرمایا کہ ''خلوت در انجمن'' کا مضمون ہوجائے، اعتکاف سے آدمی اس بات کا عادی ہوجاتا ہے کہ سب سے الگ ایک گوشہ میں بھی بیٹھے ہیں اور سب کے ساتھ شریک بھی ہیں، اگر بالکل تنہائی کا حکم ہوتا تو نفس پر بہت گراں ہوتا۔[2]

پھر اعتکاف میں یہ بھی حکم نہیں کہ کسی سے نہ بولو نہ ملو (بولنے اور ملنے کی بھی اجازت ہے) یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت ہے کہ ہم کو ایسا راستہ بتلایا جو بہت آسان اور نفع میں سب سے بڑھ کر ہے۔

پھر صاحبو! غضب ہے کہ ہم اس کی قدر نہ کریں اور اس سے نفع نہ اٹھائیں، یہ وہ طریقہ ہے جس سے نفس کا تزکیہ ہوتا ہے اور جس پر فلاح کا وعدہ ہے۔

---

[1] التہذیب ملحقہ برکات رمضان ص ۱۶/۳۹۲۔

[2] التہذیب ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ ص ۵۲۸ و برکات رمضان ص: ۳۹۲

باب۲

آداب اعتکاف

معتکف کو مسجد میں زیادہ سامان لانے کی قباحت

معتکف کو اپنا ضروری سامان مسجد میں رکھنا درست ہے، مگر زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں، اس سے تو وہ بھی گھر بن جائے گا، پھر جس طرح گھر میں عبادت و بیداری دشوار تھی وہی بات مسجد میں ہوگئی، سب کا حاصل یہ ہوا کہ مسجد میں تو گھر کے فتنہ سے چھڑا کر لائے تھے اور یہاں تم نے اتنا بکھیڑا اکٹھا کیا کہ وہ بھی گھر کی طرح ہوگئی، مسجد میں معتکف کو اتنا بکھیڑا نہ لے جانا چاہئے، بعض آدمی ہوتے بھی ہیں بکھیڑیے، گو گناہ تو نہیں مگر خلاف ادب تو ضرور ہے۔

مسجد میں آئے ہو گھر چھوڑ کے، اگر تم نے اسے بھی گھر بنالیا تو مسجد میں آنے کا کیا فائدہ ہوا۔

بعض لوگ کیا کرتے ہیں کہ مسجد میں اعتکاف کے لئے آتے ہیں تو تنہا نہیں آتے، ایک پاندان بھی ساتھ ہے، اگالدان بھی ہے، ایک چائے کا سمادار بھی ہے، تمباکو کا تھیلا بھی ہے، جو نہیں کھاتے وہ بے چارے بدبو سے پریشان ہوتے ہیں، غرض اپنے پیچھے بہت سی علتیں لگالیتے ہیں اور سب کو گھر کی طرح مسجد میں بھی جمع کرتے ہیں، اور اگر کوئی دلیر ہیں تو وہ حقہ بھی لاتے ہیں، خود تو مسجد کے اندر بیٹھے ہیں، حقہ باہر رکھا

ہے اور گڑ گڑ کر رہے ہیں، بعض لوگ سگریٹ پیتے ہیں اور دھواں باہر چھوڑتے جاتے ہیں۔ بہر حال اس طرح آتے ہیں کہ خود ہی معتکف نہیں ہوتے؛ ایک آپ کا سمادار، پاندان بھی آپ کے پاس معتکف ہوتا ہے۔

حضرات! اگر اس کنبہ کو اعتکاف کرانا ہے تو پھر گھر ہی پر اعتکاف کر لیا کیجئے۔[1]

ایک شاہ صاحب کی حکایت

بعض لوگ مسجد کے اندر بڑا ذخیرہ جمع کر لیتے ہیں، میں نے ایک صاحب کو لکھنؤ مین دیکھا کہ مسجد میں چھینکے باندھ رکھے ہیں، اپنا تمام ضروری وغیر ضروری سامان وہیں رکھا ہے، پھر خود تو رہتے ہی تھے ان کی بیوی بھی وہیں رہتی تھیں، ایک زنانہ حصہ کا دروازہ مسجد کی طرف لگا ہوا تھا جب تک نمازی رہتے تھے وہ اس کے اندر رہتی تھیں اور جب نمازی چلے جاتے تھے تو شاہ صاحب مسجد کا دروازہ بند کر کے انھیں بھی اپنے پاس بلا لیتے تھے، بھائی یہ اللہ کا گھر ہے اللہ والوں کا گھر نہیں ہے، اللہ کی چیزوں کو تم سے کس نے کہا کہ استعمال کرنے لگو، مگر لوگوں کا مزاج بن گیا ہے کہ مسجد کی چیزوں کو لیتے اور استعمال کرتے ہوئے ڈر نہیں لگتا۔[2]

معتکف کو مسجد میں کتنا سامان رکھنا چاہئے

مسجد میں اتنا سامان رکھنا کہ بالکل گھر معلوم ہونے لگے ایسا نہیں کرنا چاہئے، بس اتنا مختصر سامان رکھو کہ نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، مسجد کا ادب کم از کم اتنا تو ضروری ہے جتنا صاحب کلکٹر (اور جج) کے اجلاس کا کرتے ہیں، جب صاحب کلکٹر کے اجلاس پر بکھیڑا لے جانے کی اجازت نہیں تو یہاں کیوں نہیں ایسا سمجھا جاتا، بلکہ یہاں تو تمہیں

[1] روح الجوارص ۱۶/۲۸۰۔ [2] روح الجوارص ۱۶/۲۷۹۔

ضروری چیزوں کے لانے کی بھی اجازت ہے، سونے کی اجازت ہے، دنیا کی باتوں کی بھی اجازت ہے بشرطیکہ باتوں کے قصد سے نہ آیا ہو اور اتفاقاً کوئی معاملہ پیش آ گیا تو اس کے متعلق گفتگو کرنا جائز ہے، اسی طرح مسجد میں کھانا بھی جائز ہے، کیا ٹھکانا ہے وسعت کا، خدا کے احکام کو دیکھو، کس قدر سہل ہیں پھر بھی اگر ان سے کوئی تجاوز کرے تو پھر ایسے اعتکاف سے کیا فائدہ؟

غرض مسجد میں بالکل آزاد ہو کے آنا چاہیے، ایک بستر، ایک چادر، بلکہ آج کل تو گرمی ہے، صرف ایک چادر کافی ہے، ایک چھوٹا سا تکیہ، کھانا پانی بلی سے بچانے کے لیے ایک چھوٹا سا بکس یا ایک چھینکا، غرض نہایت مختصر سامان کے ساتھ مسجد میں آنا چاہیے، بلکہ اپنے گھر میں بھی نہایت مختصر سامان سے رہنا چاہیے اور مسجد تو پھر خانۂ خدا ہے اس میں زیادہ بکھیڑا لانا مناسب نہیں [1]

معتکف کو مسجد میں خلوت گاہ بنانے یا پردہ ڈالنے کا اہتمام کرنا

مخاطبین میں بعض ایسے لوگ بھی ہو سکتے ہیں جو یہ سن کر کہ دس روز تک مسجد میں رہیں نفس کو خوب مزہ آئے گا خوب باتیں گھڑیں گے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا اس طرح بندوبست فرمایا کہ مسجد میں ایک چٹائی کا حجرہ بنایا اور اسی میں رہے، اس سے یہ بتلایا کہ مسجد میں رہو تو اس طرح رہو۔

صوفیاء نے یہاں سے خلوت کے لیے ایسا حجرہ اختیار کیا ہے کہ اس میں سوائے چٹائی کے اور کچھ نہ ہوتا تھا، الغرض حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد میں چٹائی کا حجرہ بنا کر تعلیم فرمایا کہ مسجد میں اس طرح رہنا چاہیے، اور یہی ماخذ ہے اس عادت کا کہ اعتکاف میں پردہ وغیرہ باندھ لیتے ہیں۔

[1] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان ص ۲۸۱۔

لیکن اس میں بھی کوئی شاید غلو کرتا، اس لیے کہ یہ ایک امتیازی شان ہے کہ حجرہ میں خود بیٹھے ہیں اور باہر مریدین ومعتقدین جمع ہیں کہ شاہ صاحب نکلیں گے تو زیارت کریں گے، اور باتیں کریں گے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا یہ انتظام فرمایا کہ نماز کے وقت کہ اجتماع کا وقت بھی وہی ہے خود بخود رونق افرز ہوگئے، اسی بناپر اہل اعتکاف کا طریقہ ہے کہ نماز کے وقت پردہ وغیرہ سب اٹھادیتے ہیں تاکہ کوئی امتیاز کی شان پیدا ہوکر عجب (وتکبر) نہ ہو، واللہ اگر ساری دنیا کے عقلاء چاہتے کہ ان مصالح کی رعایت کریں تو ہرگز نہ کرسکتے تھے، یہ نورِ وحی ہے کہ جو ایسے دقیق دقیق مصالح کی رعایت فرمائی کہ قید بھی ہے، آسانی بھی ہے، خلوت بھی محفوظ، اجتماع بھی محفوظ۔[۱]

معتکف کو مسجد میں چادر وغیرہ کا پردہ ڈال لینا مناسب ہے

مسجد خود بھی ساتر ہے، پھر مسجد میں بھی ایک اور پردہ کرلینا سنت ہے، چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب معتکف ہوتے تھے تو مسجد میں چٹائی سے پردہ کرلیتے تھے، اور اب بھی معتکفین کی عادت ہے کہ چادر وغیرہ سے پردہ کرلیتے ہیں۔[۲]

طبعی وشرعی ضرورت کے وقت معتکف کو مسجد سے نکلنے کی اجازت

اعتکاف کی حالت میں ضرورتوں کو خدا نے منع نہیں کیا، ان کے پورا کرنے کے لیے مسجد سے باہر نکلنے کی بھی اجازت دے دی ہے، پھر بھی اگر کسی سے اعتکاف نہ ہوسکے تو اس کا قصور ہے اور اس اجازت کی طرف آیت وَلَاتُبَاشِرُوْهُنَّ (یعنی حالت اعتکاف میں عورتوں سے مباشرت نہ کرو) میں اشارہ ہے، کیوں کہ ممانعت اسی شئ کی

[۱] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان ص۳۹۴/۱۶۔ [۲] اجر الصیام من غیر الضرام ملحقہ التبلیغ ص ۹ /۱۹۔

ہوتی ہے جو پہلے سے محتمل ہو (یعنی ہوسکتی ہو) اور یہ ضروریات شرع سے معروف ہے (سب ہی جانتے ہیں) کہ مسجد کے اندر مباشرت (ہمیشہ) ناجائز ہے، (پس مطلب یہ ہوگا کہ مباشرت کے لیے حالت اعتکاف میں مسجد سے باہر مت نکلو اس سے معلوم ہوگیا کہ مباشرت کے علاوہ دوسری ضروریات کے لیے نکل سکتے ہیں) اگر اعتکاف میں کسی طرح (اور کسی ضرورت) سے نکلنا جائز نہ ہوتا تو پھر اس ممانعت کی ضرورت ہی نہ تھی (وہ تو پہلے ہی سے منع ہے لیکن پھر بھی) ممانعت ہوئی ہے، پس یہ خود دلیل ہے اس بات کی کہ بعض اوقات نکلنا جائز ہے، اور اسی میں مباشرت کا بھی احتمال تھا اس لیے اس سے منع فرما دیا۔ اتنا تو قرآن سے معلوم ہوگیا۔ آگے حدیث نے تفصیل کردی کہ کس کس ضرورت سے نکلنا جائز ہے، مباشرت کا ناجائز ہونا تو خود قرآن سے ثابت ہے اور دوسری طبعی شرعی ضرورتوں کے لیے نکلنے کا جواز دوسرے شرعی دلائل سے جائز ہے۔

اب رہا دونوں میں فرق سو چونکہ مباشرت میں حاجت خفیف و معمولی ہے اس لیے مباشرت کی ممانعت کردی، اور کھانے پینے کی حاجت شدید ہے اس لیے اس کی اجازت دے دی، مسجد کے اندر بھی کھانے کی اجازت ہے (اور گھر جا کر خود کھانا) لانے کی بھی اجازت دے دی جب کہ کوئی لانے والا نہ ہو، یا اجرت گراں مانگتا ہو، یا کسی سے درخواست کرنے میں اس کی زیادہ خوشامد کرنے کی ضرورت واقع ہو، الغرض اگر کوئی کھانا لانے میں نخرے کرے یا اجرت زیادہ مانگے تو خود جا کر لے آئے۔[1]

حالت اعتکاف میں عورتوں سے مباشرت کی ممانعت اور کھانے پینے کی اجازت کی وجہ

اعتکاف کی حالت میں کھانا بھی جائز، پینا بھی جائز ہے مگر مباشرت ناجائز ہے۔

[1] روح الجوارص ۱۶/۲۷۷۔

چنانچہ ارشاد ہے:

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی اعتکاف کی حالت میں عورتوں سے مباشرت جائز نہیں اور تُبَاشِرُوْا فرمایا ہے جو بشرۃ سے ماخوذ ہے، اس لیے (شہوت سے) عورت کو ہاتھ لگانا بھی (حالت اعتکاف میں) جائز نہیں کیوں کہ دواعی وطی، وطی کے حکم میں ہیں، اسی لیے ان سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔

اور دیکھئے حق تعالی کی کیسی رحمت ہے، کیسی خوبصورتی سے اعتدال کیا کہ اس کا عکس نہیں ہوا، یعنی یہ کہ مباشرت تو جائز ہوتی اور کھانا پینا نا جائز ہوتا، وجہ اس کی یہ ہے کہ ہر ایک میں دو حیثیتیں ہیں: حاجت اور لذّت، مگر فرق اتنا ہے کہ کھانے پینے میں تو عادۃً حاجت (یعنی ضرورت) غالب اور لذت مغلوب ہوتی ہے اور مباشرت میں لذّت غالب اور حاجت مغلوب ہوتی ہے، دیکھئے فطری جذبات کی شریعت نے کس قدر رعایت کی ہے، اگر کھانا پینا دس دن چھڑا دیں تو سخت تکلیف ہو، اور اس میں (یعنی ترک مباشرت میں) کچھ بھی تکلیف نہیں، زائد سے زائد لذت نہیں، اور کھانے پینے کے متعلق فرمایا کلو واشربوا یعنی کھاؤ اور پیو۔

دوسرے کھانے پینے کے ساتھ تو ممکن ہے کہ اللہ کی طرف توجہ باقی رہے، مگر مباشرت کے وقت توجہ الی اللہ عادۃً ضعیف ہو جاتی ہے، کیوں کہ اس وقت طبعی نشاط کی وجہ سے اس کی طرف اس قدر توجہ ہوتی ہے کہ پھر دوسری طرف توجہ نہیں رہتی، تو اگر اس کی اجازت ہوتی تو ایک زمانہ ایسا ہوتا کہ مخلوق کی طرف توجہ ہوتی اور خالق کی طرف سے غفلت ہوتی، تو غیرت حق اس کو گوارہ نہیں کرتی کہ ہمارا حاضر باش دربان ہو کر کسی اور طرف منہ کرے، اس لئے صرف دس دن کے لئے غیرت حق نے ہمیں روک دیا، بخلاف کھانے پینے کے، گو اس میں حاجت زیادہ ہے مگر اتنی مستی سوار نہیں ہوتی کہ کچھ یاد نہ رہے، بلکہ دوسری طرف توجہ رہنا بھی ممکن ہے۔[1]

---

[1] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان ص ۲۶۹ ص ۲۷۱۔

اعتکاف سے متعلق حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا معمول

حضرت والا کبھی اعتکاف بھی کرتے ہیں، کبھی پورے اخیر عشرہ کا اور کبھی تین روز کا اعتکاف فرماتے ہیں، اس وقت انوار و برکات کی گویا بارش ہوتی ہے۔

اعتکاف کی حالت میں تصنیف کا سلسلہ برابر جاری رہتا ہے، ''قصد السبیل'' (ایک کتاب کا نام ہے جو ۴۸ صفحات کی ہے) اعتکاف کی حالت میں آٹھ دن میں لکھی گئی ہے، اور ایک اور کتاب بھی قصد السبیل کے ساتھ ان ہی دنوں میں لکھی گئی تھی، یعنی **الفُتُوح فِيمَا يَتَعَلَّقُ بِالرُّوحِ**۔

(اس کے علاوہ مجالس وملفوظات کا سلسلہ بھی جاری رہتا ہے اور وعظ بھی ہوتا ہے)۔

حضرت والا کی زبان کو حق تعالیٰ نے ابر باراں حقائق ومعارف بنایا ہے، ہمیشہ اس سے جواہر بے بہا کی بارش ہوتی ہے، بالخصوص اس وقت میں (حالت اعتکاف میں) کہ بلا شک وشبہ اَجْوَدُ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ (یعنی تیز چلنے والی ہوا سے زیادہ سخاوت) کا ظہور ہوتا ہے، یہ لفظ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں رمضان کی حالت میں وارد ہے۔[۱]

حالت اعتکاف میں لوگوں سے ملاقات بھی کر سکتے ہیں

سبحان اللہ! شریعت نے کیا اعتدال رکھا ہے کہ جس طرح روزہ میں کھانے اور نہ کھانے کو جمع کر دیا، یہاں ملنے اور نہ ملنے کو جمع کر دیا، اور یہ جمع واقعی بہت مشکل تھا، اس لیے آسانی کے واسطے ایک ہیڈ کوارٹر (مرکز) مقرر کر دیا کہ اسی میں رہو، اگر کسی

[۱] معمولات اشرفی ص ۴۶۔

ضرورت سے نکلو تو فوراً واپس آجاؤ، پھر جو یہاں آئے اس سے مل لو، نہ آئے مت ملو، یہاں تک کہ اگر وہ کافر ہو تب بھی بات کرلو، ہمارے یہاں کی چیزیں ایسی نازک نہیں کہ ذرا ذرا سی بات میں ٹوٹ جائیں، کافر سے بات کرنے اور کسی سے ملنے سے ہمارا اعتکاف نہیں ٹوٹتا، بعض لوگ غلو کرتے ہیں، ان کے نزدیک ذرا سی بات میں ان کے قلب پر ان کے گمان کے مطابق ظلمت طاری ہوجاتی ہے، ارے وہ کیسا نور ہے جس پر ایسے (معمولی) اسباب سے ظلمت طاری ہوجاتی ہے، چراغ اگر کوڑی کا بھی ہو تو اس سے ظلمت خود فنا ہوجائے گی، وہ نور، نور ہی نہیں جہاں ایسے معمولی اسباب سے ظلمت غالب ہوجائے، وہ کیسے بزرگ ہیں کہ بالکل چھوئی موئی کا درخت ہیں کہ ذرا کوئی آیا اور حالت میں فرق آیا، شیخ بھی بنے ہیں اور اتنے کچے، چھوڑو پیری مریدی، جب اتنے پختہ ہوجاؤ کہ کسی سے ملنے سے ظلمت نہ ہو تو اس وقت پیری کرلینا، ابھی کچھ فرض تھوڑا ہی ہے، بہرحال معتکف کے لیے حکم ہے کہ خود تو کسی سے ملنے باہر نہ جائے اور کوئی اندر آئے تو اس سے بول لے، بات کرلے تو کچھ حرج نہیں[1]

معتکف کا مسجد میں تجارت کرنا

معتکف کی حاجتوں کی یہاں تک رعایت کی گئی ہے کہ اگر کوئی مثلاً بساطی ہے، اور بساط اس کی اتنی ہی ہے کہ اسی پر اس کی گذر ہے تو اسے جائز ہے کہ وہ مسجد میں تجارت بھی کرلے، مگر اسباب (یعنی سامان تجارت) مسجد میں نہ لائے اور فقہائے متاخرین نے اور بھی وسعت کی ہے کہ اگر چھوٹی سی چیز ہو جس سے نمازیوں کو تکلیف نہ ہو، اور مسجد مشغول نہ ہو تو اس کا مسجد میں لانا بھی جائز ہے، ہاں صندوق لا لا کر مت رکھو، بلکہ صندوق کو مارو بندوق، البتہ اگر کوئی مختصر سی چیز ہو تو اس کو اندر لے آؤ۔

---

[1] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان ص ۲۶۹۔

لکھنؤ میں میرے ایک دوست تھے، وہ جواہرات کے سوداگر تھے، میں نے ان سے کہا کہ بھائی ہمیں بھی دکھاؤ، جواہرات کیسے ہوتے ہیں، وہ لائے تو ہزاروں (بلکہ لاکھوں) روپئے کے جواہرات، زمرد، یاقوت، لعل، الماس سب ان کے پاس تھے اور اتنی چھوٹی سی ڈبیہ میں رکھے ہوئے تھے کہ ان کی جیب میں وہ ڈبیہ آ جاتی تھی، تو اگر کسی کی ایسی ہی تجارت ہو تو اس کو سودا بھی مسجد کے اندر لے آنا جائز ہے[1]۔

اعتکاف سے متعلق ضروری مسائل

مسئلہ:-(۱) اعتکاف کے لیے تین چیزیں ضروری ہیں (۱) مسجد جماعت میں ٹھہرنا (۲) بہ نیت اعتکاف ٹھہرنا، پس بے قصد وارادہ ٹھہر جانے کو اعتکاف نہیں کہتے، چونکہ نیت کے صحیح ہونے کے لیے نیت کرنے والے کا مسلمان اور عاقل ہونا شرط ہے، لہٰذا عقل اور اسلام کا شرط ہونا بھی نیت کے ضمن میں آ گیا (۳) حیض ونفاس سے خالی اور پاک ہونا اور جنابت سے پاک ہونا۔

مسئلہ:-(۲) سب سے افضل وہ اعتکاف ہے جو مسجد حرام یعنی کعبہ مکرمہ میں کیا جائے، اس کے بعد مسجد نبوی کا، اس کے بعد مسجد بیت المقدس کا، اس کے بعد اس جامع مسجد کا جس میں جماعت کا انتظام ہو، اگر جامع مسجد میں جماعت کا انتظام نہ ہو تو محلّہ کی مسجد، اس کے بعد وہ مسجد جس میں زیادہ جماعت ہوتی ہو۔

مسئلہ:-(۳) اعتکاف کی تین قسمیں ہیں، (۱) واجب (۲) سنت مؤکدہ (۳) مستحب، واجب وہ ہے جس کی نذر کی جائے نذر خواہ غیر معلق ہو، جیسے کوئی شخص بے کسی شرط کے اعتکاف کی نذر کرے، یا معلق، جیسے کوئی شخص یہ شرط کرے کہ اگر میرا فلاں کام ہو جائے گا تو میں اعتکاف کروں گا، اور سنت مؤکدہ وہ ہے کہ رمضان کے

[1] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان ص ۱۶/۲۷۸۔

اخیرعشرہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بالالتزام اعتکاف کرنا احادیث صحیحہ میں منقول ہے، مگر یہ سنت مؤکدہ بعض کے کرلینے سے سب کے ذمہ سے اتر جائے گی، اور مستحب وہ ہے کہ رمضان کے اخیرعشرہ کے سوا کسی اور زمانہ میں خواہ وہ رمضان کا پہلا دوسرا عشرہ ہو یا اور کوئی مہینہ ہو اعتکاف کرے۔

مسئلہ :-(۴) اعتکاف واجب کے لیے روزہ شرط ہے جب کوئی شخص اعتکاف کرے گا تو اس کو روزہ رکھنا ہوگا، بلکہ اگر یہ بھی نیت کرے کہ میں روزہ نہ رکھوں گا تب بھی اس کو روزہ رکھنا لازم ہوگا، اسی وجہ سے اگر کوئی شخص رات کے اعتکاف کی نیت کرے تو وہ بھی لغو سمجھی جاوے گی، کیوں کہ رات روزے کا محل نہیں، ہاں اگر رات دن دونوں کی نیت کرے یا صرف کئی دنوں کی تو پھر رات ضمناً داخل ہوجائے گی اور رات کو بھی اعتکاف کرنا ضروری ہوگا، اور اگر صرف ایک ہی دن کے اعتکاف کی نذر کرے تو پھر رات ضمناً بھی داخل نہ ہوگی، روزہ کا خاص اعتکاف کے لیے رکھنا ضروری نہیں، خواہ کسی غرض سے روزہ رکھا جائے اعتکاف کے لئے کافی ہے، مثلا کوئی شخص رمضان میں اعتکاف کی نذر کرے تو رمضان کا روزہ اس اعتکاف کے لیے بھی کافی ہے، ہاں اس روزہ کا واجب ہونا ضروری ہے، نفل روزے اس کے لیے کافی نہیں، مثلاً کوئی شخص نفل روزے رکھے اور بعد اس کے اسی دن اعتکاف کی نذر کرے تو صحیح نہیں، اگر کوئی شخص پورے رمضان کے اعتکاف کی نذر کرے اور اتفاق سے رمضان میں نہ کر سکے تو کسی اور مہینہ میں اس کے بدلے کر لینے سے اس کی نذر پوری ہوجائے گی، مگر علی الاتصال (مسلسل) روزے رکھنا اور ان میں اعتکاف کرنا ضروری ہوگا۔

مسئلہ :-(۵) اعتکاف مسنون میں تو روزہ ہوتا ہی ہے، اس کے واسطے شرط کرنے کی ضرورت نہیں۔

مسئلہ :-(۶) اعتکاف مستحب میں بھی احتیاط یہ ہے کہ روزہ شرط ہے،

اور معتمد یہ ہے کہ شرط نہیں۔

مسئلہ :-(۷) اعتکاف واجب کم سے کم ایک دن ہوسکتا ہے، اور زیادہ جس قدر نیت کرے، اور اعتکاف مسنون ایک عشرہ، اس لئے کہ اعتکاف مسنون رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتا ہے، اور اعتکاف مستحب کے لیے کوئی مقدار مقرر نہیں، ایک منٹ بلکہ اس سے بھی کم ہوسکتا ہے۔

اعتکاف کی حالت میں دو قسم کے افعال حرام ہیں۔

مسئلہ :-(۸) حالت اعتکاف میں دو قسم کے افعال حرام ہیں، یعنی ان کے ارتکاب سے اگر اعتکاف واجب یا مسنون ہے تو فاسد ہوجائے گا اور اس کی قضا کرنا پڑے گی، اور اگر اعتکاف مستحب ہے تو ختم ہوجائے گا، اس لیے کہ اعتکاف مستحب کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں، پس اس کی قضا بھی نہیں، پہلی قسم: اعتکاف کی جگہ سے بے ضرورت باہر نکلنا، ضرورت عام ہے خواہ طبعی ہو یا شرعی، طبعی جیسے پاخانہ پیشاب غسل جنابت، کھانا کھانا بھی ضرورت طبعی میں داخل ہے، جب کہ کوئی شخص کھانا لانے والا نہ ہو، شرعی ضرورت جیسے جمعہ کی نماز۔

مسئلہ :-(۹) جس ضرورت کے لیے اعتکاف کی مسجد سے باہر جائے بعد اس کے فارغ ہونے کے وہاں قیام نہ کرے اور جہاں تک ممکن ہو ایسی جگہ اپنی ضررت رفع کرے جو اس مسجد سے زیادہ قریب ہو، مثلاً پاخانہ کے لیے اگر جائے اور اس کا گھر دور ہو، اور اس کے کسی دوست وغیرہ کا گھر قریب ہو تو وہیں جائے، ہاں اگر اس کی طبیعت اپنے گھر سے مانوس ہو اور دوسری جگہ جانے سے اس کی ضرورت رفع نہ ہو تو پھر جائز ہے، اگر جمعہ کی نماز کے لیے کسی مسجد میں جائے اور بعد نماز کے وہیں ٹھیر جائے اور وہیں اعتکاف کو پورا کرے، تب بھی جائز ہے مگر مکروہ ہے۔

مسئلہ :-(۱۰) بھولے سے بھی اپنے اعتکاف کی مسجد کو ایک منٹ بلکہ اس سے بھی کم چھوڑ دینا جائز نہیں۔

مسئلہ :-(۱۱) جو عذر کثیر الوقوع نہ ہوان کے لیے اپنے معتکَف کو چھوڑ دینا منافی اعتکاف ہے، مثلاً کسی مریض کی عیادت کے لیے، یا کسی ڈوبتے ہوئے کو بچانے کے لیے یا آگ بجھانے کو، یا مسجد کے گرنے کے خوف سے، گوان صورتوں میں معتکف سے نکل جانا گناہ نہیں، بلکہ جان بچانے کی غرض سے ضروری ہے مگر اعتکاف قائم نہ رہے گا، اگر کسی شرعی یا طبعی ضرورت کے لیے نکلے اور اس درمیان میں خواہ ضروت رفع ہونے سے پہلے یا اس کے بعد کسی مریض کی عیادت کرے یا نماز جنازہ میں شریک ہوجائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ :-(۱۲) جمعہ کی نماز کے لیے ایسے وقت جاوے کہ تحیۃ المسجد اور سنت جمعہ وہاں پڑھ سکے اور بعد نماز کے بھی سنت پڑھنے کے لیے ٹھہرنا جائز ہے، اس مقدار وقت کا اندازہ اس شخص کی رائے پر چھوڑ دیا گیا ہے، اگر اندازہ غلط ہوجائے یعنی کچھ پہلے سے پہنچ جائے تو کچھ مضائقہ نہیں۔

مسئلہ :-(۱۳) اگر کوئی شخص زبردستی معتکف سے باہر نکال دیا جائے تب بھی اس کا اعتکاف قائم نہ رہے گا، مثلاً کسی جرم میں حاکم وقت کی طرف سے وارنٹ جاری ہو اور سپاہی اس کو گرفتار کر کے لے جائیں، یا کسی کا قرض چاہتا ہو اور وہ اس کو باہر نکالے۔

مسئلہ:-(۱۴) اسی طرح اگر کسی شرعی یا طبعی ضرورت سے نکلے اور راستہ میں کوئی قرض خواہ روک لے یا بیمار ہوجائے اور پھر معتکف تک پہنچنے میں دیر ہوجائے تب بھی اعتکاف قائم نہ رہے گا۔

دوسری قسم

دوسری قسم: ان افعال کی جو اعتکاف میں ناجائز ہیں، جماع وغیرہ کرنا خواہ عمداً کیا جائے یا سہواً اعتکاف کا خیال نہ رہنے کے سبب سے، مسجد میں کیا جائے یا مسجد سے باہر، ہر حال میں اعتکاف باطل ہو جائے گا، جو افعال کہ تابع جماع کے ہیں جیسے بوسہ لینا یا معانقہ کرنا وہ بھی حالت اعتکاف میں ناجائز ہیں، مگر ان سے اعتکاف باطل نہیں ہوتا تاوقتیکہ منی خارج نہ ہو، ہاں اگر ان افعال سے منی کا خروج ہو جائے تو پھر اعتکاف فاسد ہو جائے گا، البتہ صرف خیال اور فکر سے اگر منی خارج ہو جائے تو اعتکاف فاسد نہ ہوگا۔

مسئلہ :-(۱۵) حالت اعتکاف میں بے ضرورت کسی دنیاوی کام میں مشغول ہونا مکروہ تحریمی ہے (۱) مثلاً بے ضرورت خرید و فروخت یا تجارت کا کوئی کام کرنا، ہاں جو کام نہایت ضروری ہو مثلاً گھر میں کھانے کو نہ ہو اور اس کے سوا کوئی دوسرا شخص قابل اطمینان خریدنے والا نہ ہو، ایسی حالت میں خرید و فروخت کرنا جائز ہے، مگر مبیع (بیچنے والا سامان) کا مسجد میں لانا کسی حال میں جائز نہیں، بشرطیکہ اس کے مسجد میں لانے سے مسجد خراب ہو جانے یا جگہ رک جانے کا خوف ہو، ہاں اگر مسجد کے خراب ہونے یا جگہ رک جانے کا خوف نہ ہو تو بعض کے نزدیک جائز ہے۔

مسئلہ:-(۱۶) حالت اعتکاف میں بالکل چپ بیٹھنا (اور اس کو عبادت سمجھنا) بھی مکروہ تحریمی ہے، ہاں بری باتیں زبان سے نہ نکالے، جھوٹ نہ بولے، غیبت نہ کرے بلکہ قرآن مجید کی تلاوت یا کسی دینی علم کے پڑھنے پڑھانے یا کسی اور عبادت میں اپنے اوقات صرف کرے۔ خلاصہ یہ کہ چپ بیٹھنا کوئی عبادت نہیں۔

(بہشتی زیور:۱۱/۶۷)

باب۳

شب قدر

اعوذ باللہ من الشیطن الرجیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا اَدْرٰکَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ☆ لَیْلَةُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ☆ تَنَزَّلُ الْمَلٰئِکَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا بِاِذْنِ رَبِّهِمْ مِن کُلِّ اَمْرٍ سَلٰمٌ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ۔ (پ:۳۰، قدر)

ترجمہ وتفسیر:- بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے، آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے، یعنی ہزار مہینہ تک عبادت کرنے کا جس قدر ثواب ہے اس سے زیادہ شب قدر میں عبادت کرنے کا ثواب ہے۔ (کذافی الخازن)

اور وہ رات ایسی ہے کہ اس رات میں فرشتے اور روح القدس یعنی جبرئیل علیہ السلام اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امر خیر کو لے کر زمین کی طرف اترتے ہیں اور وہ شب سراپا سلام ہے اور وہ شب طلوع فجر تک رہتی ہے یعنی یہ نہیں کہ اس شب کے کسی خاص حصہ میں یہ برکت ہو اور کسی میں نہ ہو۔

فائدہ:-قدر کے معنی تعظیم کے ہیں چونکہ اس شب میں عظمت اور شرف ہے

اس لئے اس کو شب قدر کہتے ہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل کے بعض عابدین کا ذکر کیا جنھوں نے ہزار مہینے اور ایک روایت میں اسی برس تک عبادت کی تھی، صحابہ کو تعجب ہوا (اور رشک آیا کہ اگر ہماری عمر بھی اتنی لمبی ہوتی تو ہم عبادت کرتے) اس پر یہ سورت نازل ہوئی۔ (درمنثور) بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شب قدر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کے ایک گروہ میں آتے ہیں اور جس شخص کو قیام وقعود (یعنی نماز) اور ذکر میں مشغول دیکھتے ہیں اس کے لیے دعائے رحمت کرتے ہیں، اور ایک روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ سلامتی کی دعا کرتے ہیں، اسی کو قرآن نے ''سلام'' فرمایا ہے، اور امر سے یہی مراد ہے اور بعض روایات میں توبہ کا قبول ہونا اور ہر مومن پر فرشتوں کا سلام کرنا آیا ہے کذا فی الدر المنثور[۱]

شب قدر سے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات

۱:- موطا امام مالک کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے لوگوں کی عمریں دکھلائی گئیں، پس گویا آپ نے اپنی امت کو اتنے اعمال سے قاصر خیال فرمایا تو اللہ تعالیٰ نے ایک رات یعنی لیلۃ القدر آپ کو عطا فرمائی جو ہزاروں سال سے بہتر ہے۔ (ترغیب عن الموطا)

۲:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے ایمان کے ساتھ طلب ثواب کی وجہ سے شب قدر میں قیام کیا تو بخش دیئے گئے اس کے تمام گذشتہ گناہ۔ (متفق علیہ)

۳:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جب شب قدر ہوتی ہے،

۱؎ بیان القرآن سورۃ قدر پ:۳۰۔

جبرئیل علیہ السلام فرشتوں کی ایک جماعت سمیت نازل ہوتے ہیں اور ہر اس شخص کے لیے دعا کرتے ہیں جو کھڑے یا بیٹھے اللہ کا ذکر کر رہا ہو۔

۴:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: لیلۃ القدر رمضان میں ہوتی ہے۔ (ابوداؤد)

۵:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تم شب قدر کو رمضان کے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ (بخاری)

۶:- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب رمضان کا آخری عشرہ ہوتا تو کمر باندھتے یعنی عبادت کا بہت زیادہ اہتمام فرماتے اور شب بیداری کرتے اور اپنے گھر والوں کو یعنی ازواج مطہرات کو اور صاحبزادیوں کو جگاتے۔ (متفق علیہ)

۷:- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بہت سے روزہ دار ایسے ہیں کہ ان کو روزہ سے پیاس کے سوا کچھ حاصل نہیں، اور بہت سے شب بیدار ایسے ہیں کہ ان کو جاگنے کے سوا کچھ حاصل نہیں (دارمی) یعنی جو لوگ روزہ اور شب بیداری کے حقوق ادا نہیں کرتے ان کے لیے یہ حکم ہے۔

شب قدر کی دعاء

۸:- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا، اے رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم اگر کسی طرح مجھے شب قدر معلوم ہو جائے کہ فلاں رات میں ہے تو میں اس میں کیا کہوں (یعنی کون سی دعا پڑھوں) آپ نے ارشاد فرمایا:

اَللّٰھُمَّ اِنَّکَ عَفُوٌّ تُحِبُّ الْعَفْوَ فَاعْفُ عَنِّی. کہو۔

یعنی اے اللہ تو معاف کرنے والا ہے، معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، پس

میرے گناہ معاف فرمادے۔ (احمد وابن ماجہ)

۹:-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ رمضان میں ایک رات ایسی ہے جو ہزار ماہ سے بہتر ہے، جو اس کی خیر سے محروم رہا وہ بالکل ہی محروم رہا۔

(احمد، نسائی)

محرومی کا مطلب

سعید بن المسیب نے فرمایا کہ جو شخص شب قدر میں عشاء کی جماعت میں حاضر ہوگیا، اس نے اس میں سے حصہ پالیا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث شریف میں محروم ہونے والے سے مراد وہ شخص ہے جو اس روز عشاء کی جماعت میں بھی شامل نہ ہو۔[1] (جمع الفوائد)۔

فائدہ :-بعض احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ عشاء اور صبح کی نماز جماعت سے نماز پڑھ لینا بھی شب بیداری کے برابر ہے تو اس سے حرمان رفع ہوجائے گا (یعنی محرومی نہ ہوگی)۔[2]

لیلۃ القدر رمضان کے آخری عشرہ میں ہوتی ہے

کلام مجید میں ایک جگہ ارشاد فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِىْ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْآن.

یعنی ماہ رمضان جس میں قرآن مجید نازل کیا گیا ہے۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: اِنَّا اَنْزَلْنَاهُ فِیْ لَيْلَةِ الْقَدْر .

بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے۔

---

[1] خطبات الاحکام ص ۱۵۱ خطبہ ۴۷۔ [2] عصم الصنوف ملحقہ فضائل صوم ص ۴۹۰۔

اور دونوں آیتوں میں نزول دفعی (یعنی پورا قرآن ایک ساتھ نازل ہوا) مراد ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ لیلۃ القدر رمضان ہی میں ہے، کیوں کہ اگر لیلۃ القدر رمضان کے علاوہ دوسرے مہینوں میں ہوتو قرآن پاک کی آیتوں میں تعارض لازم آئے گا، کہ ایک آیت سے تو رمضان میں اور دوسری آیت سے غیر رمضان میں قرآن نازل ہونا ثابت ہو جو کہ محال ہے۔

اور حدیثوں سے بھی شب قدر کا اخیر عشرہ میں ہونا معلوم ہوتا ہے، پس جب شب قدر میں قرآن نازل ہوا تو آخری عشرہ میں بھی اس کا نازل ہونا ثابت ہو گیا۔ اور رمضان کی فضیلت کے ساتھ عشرہ اخیرہ کی فضیلت بھی اسی آیت سے ثابت ہوگئی اور فضیلت بھی بہت بڑی کہ اس میں قرآن نازل ہوا ہے، کیوں کہ قرآن مجید ایک عظیم الشان چیز ہے، اس لیے جس زمانہ میں وہ نازل ہوگا وہ زمانہ بھی ضرور مبارک اور مشرف ہوگا اور اس فضیلت کی قدر کوئی عاشقوں کے دل سے پوچھے کہ جس زمانہ میں ان کو محبوب کے خط کی زیارت ہوتی ہے وہ زمانہ ان کے نزدیک کس قدر معزز و مشرف ہوتا ہے، قرآن شریف بھی کلام خداوندی ہے اور خدا تعالیٰ محبوب حقیقی ہے، پس وہ زمانہ کہ جس میں محبوب حقیقی کا کلام نازل ہو کیوں مبارک و مشرف نہ ہوگا۔

جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ شب قدر رمضان کے اخیر عشرہ میں ہوتی ہے اور بعض علماء کا یہ مسلک ہے کہ تمام سال میں دائر سائر ہے۔

لیلۃ القدر کی پوری رات کی فضیلت ہے، یہ نہیں کہ کسی خاص ساعت کی فضیلت ہو، اگر ایسا ہوتا تو ساعت کے عنوان سے خبر دی جاتی، جیسے جمعہ میں ایک ساعت کی خبر دی گئی ہے اور لیلۃ القدر کی جہاں بھی فضیلت بیان ہوئی ہے، ''لیلۃ'' کے عنوان سے ہے جس سے مراد پوری رات ہے۔[1]

---

[1] احکام العشر الأخیرۃ ص: ۳۴۸ ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ۔

شب قدر کس تاریخ کو ہوتی ہے

آخری عشرہ کی دوسری فضیلت اس وجہ سے ہے کہ اس مین شب قدر ہے جس کی فضیلت کے لیے اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَمَا اَدْرٰکَ مَا لَیْلَۃُ الْقَدْرِ لَیْلَۃُ الْقَدْرِ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَھَرٍ.

ترجمہ: آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔

کیوں کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ شب قدر عشرہ اخیرہ کی طاق راتوں میں ہے۔ ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-۲۹، اور بعض حدیثوں میں مطلق عشرہ اخیرہ بھی آیا ہے، دونوں حدیثوں کے ملانے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یا تو ایک حدیث دوسری کی تفسیر ہے اور یا اکثر تو شب قدر طاق راتوں میں ہوتی ہے، لیکن کبھی کبھی جفت راتوں میں (مثلاً ۲۲-۲۴) میں بھی ہوجاتی ہے۔ نیز بعض لوگوں کو جفت راتوں میں شب قدر ہونا مکشوف بھی ہوا ہے (یعنی کشف سے معلوم ہوا ہے) تو قوی اور تندرست لوگوں کو یہ مناسب ہے کہ وہ آخری عشرہ کی رات میں اور راتوں سے زیادہ عبادت کریں، اور کمزوروں کے لیے یہ مناسب ہے کہ وہ کم از کم طاق راتوں میں ضرور جاگ لیں۔[۲]

شب قدر کی اہمیت وفضیلت

''شب قدر'' نہایت قابل قدر چیز ہے، اس رات کی فضیلت یہ ہے کہ تَنَزَّلُ الْمَلٰئِکَۃُ وَالرُّوْحُ فِیْھَا یعنی اس رات میں رحمت کے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، اور اس میں دونوں احتمال ہیں یعنی اس رات میں یا تو فضیلت اس وجہ سے آئی ہے کہ اس میں

---

۱ کمالات اشرفیہ ص ۱۲۸/۶۰۰۔ ۲ احکام العشر الاخیرہ ص ۳۷۸

ملائکہ نازل ہوتے ہیں یا ملائکہ اس وجہ سے نازل ہوتے ہیں کہ اس رات میں پہلے سے فضیلت ہے، بہر حال جو بھی ہو اس سے بحث نہیں، اس رات میں فضیلت ضرور ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا وہ بڑی نعمت سے محروم رہ گیا، یہ دن سال بھر کے بعد آتے ہیں ان کی قدر کرنا چاہئے، کیوں کہ زندگی کا کیا بھروسہ، یوں تو ہر رات میں فضیلت ہے، یہ اس لیے کہتا ہوں کہ اگر کسی سے یہ رات فوت ہو جائے تو کسی اور ہی رات میں کچھ کر لے، گو وہ ویسی تو نہ ہوگی مگر کام بن جائے گا۔[1]

شب قدر کی جستجو

لیلۃ القدر ان ہی (دس) راتوں میں سے کسی رات میں ہوگی، تو جو شخص ان راتوں کی قدر کرلے گا وہ لیلۃ القدر ضرور پالے گا، جو بے قدری کر کے غفلت کی نیند سوئے گا وہ لیلۃ القدر سے محرم رہے گا۔

بوستاں میں ایک حکایت لکھی ہے کہ کسی شہزادے کا ایک ہیرہ رات کے وقت گر گیا تھا، اس نے حکم دیا کہ اس مقام کی تمام کنکریاں جمع کریں، لوگوں نے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے کہا کہ اگر کنکریاں چھانٹ کر جمع کی جاتیں تو ممکن تھا کہ ان میں ہیرا نہ آتا اور جب ساری کنکریاں اٹھالی گئیں تو ان میں ہیرہ ضرور آ گیا ہے۔

لیکن خیر ایسے باہمت تو اس وقت کہاں ہیں کہ وہ اس گوہر کی تلاش میں سال بھر شب بیداری کریں، مگر رمضان کے اخیر عشرہ میں تو ضرور بیدار رہنا اور عبادت کرنا چاہئے، کیوں کہ ان راتوں میں شب قدر کے ہونے کا ظن غالب ہے اور اگر کوئی شخص نہایت ہی کمزور اور کم ہمت ہو تو خیر وہ کم از کم ستائیسویں رات کو تو ضرور ہی جاگ لے

[1] روح الجوارص ۲۸۳۔

کہ وہ رات اکثر شب قدر کی ہوتی ہے۔[1]

شب قدر کو طاق راتوں میں تلاش کرو

اس مہینہ کے اخیر عشرہ میں شب قدر بھی ہے، حدیث شریف میں آیا ہے اِلْتَمِسُوْا فِی الْوِتْرِ مِنَ الْعَشَرِ الاوَاخِرِ یعنی شب قدر کو طاق راتوں میں تلاش کرو، اور طاق راتیں کون سی ہیں، اکیسویں شب، تیئیسویں شب، پچیسویں شب، ستائیویں شب، انتیسویں شب، اور اکیسویں شب کون سی ہے، بیسواں روزہ گذر کر جو رات آئے گی وہ ہے اکیسویں شب، شریعت میں تاریخ رات سے شروع ہوتی ہے اور رات پہلے ہوتی ہے، دن بعد میں ہوتا ہے، اس لیے اکیسویں تاریخ سے پہلے جو رات آئے گی وہ اکیسویں شب ہوگی، جب چاند دیکھتے ہو تو پہلی رات اس مہینہ کی وہی ہوتی ہے جس میں چاند دیکھا ہے، اس کی صبح کو مہینہ کا پہلا دن ہوتا ہے، جیسے حکماء کے نزدیک طلوع آفتاب سے تاریخ شروع ہوتی ہے اور ان نئے حکماء کے یہاں نصف شب (رات کو بارہ بجے) سے شرع ہوتی ہے۔

بہرحال اکیسویں شب وہ ہے جو بیسواں دن گذار کر آئے، اسی طرح اور راتیں، یہ پانچ راتیں ہیں جن میں شب قدر کا احتمال ہے۔[2]

حق تعالیٰ کی عنایت اور عجیب حکمت

شریعت نے ہماری راحت کی کس قدر رعایت کی ہے کہ لیالی قدر (یعنی شب قدر کے مواقع) پے در پے (مسلسل اور لگاتار) نہیں ہیں، بلکہ طاق راتیں ہیں یعنی ۲۱-۲۳-۲۵-۲۷-اور ۲۹ویں راتیں، بیچ میں ایک ایک رات کا فصل رکھا گیا ہے

[1] احکام العشر الاخیرہ ص۳۷۹۔ [2] روح الجوارص ۲۸۱ ملحقہ برکات رمضان۔

تا کہ ایک رات زیادہ جاگ کر بیچ کی رات میں سولو۔[۱]

سبحان اللہ! اس میں عجیب حکمت ہے کہ شب قدر کی تاریخ متعین نہیں کی کیوں کہ مقصود تو پانچ راتوں میں جگانا ہے، پھر سبحان اللہ اس میں یہ کیسا اعتدال ہے کہ متواتر پانچ راتوں میں نہیں جگایا، ایک رات جگایا اور ایک رات سلایا اور پھر اس سونے میں بھی ثواب جاگنے ہی کا دیا اور یہ بات میں اپنی طرف سے گھڑ کر نہیں کہتا، حدیث سے ثابت ہے، حدیث شریف میں ہے کہ اگر کوئی شخص اللہ کی راہ میں گھوڑا پالے تو اس کی لید، اس کا پیشاب سب وزن ہو کر اس کو نیکیاں ملیں گی، کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ میزان میں لید رکھ دی جائے گی، میزان میں لید کے وزن کی کوئی چیز رکھ دی جائے گی، تو جب اس کے گھوڑے کی لید اور پیشاب میں بھی ثواب ہے کیونکہ وہ گھوڑا ثواب کا ذریعہ تھا حالانکہ اس کے ارادہ سے ہوا۔ تو یہاں یہ سونا بھی جب جاگنے کا ذریعہ ہے اور وہ ذریعہ ہے عبادت کا تو اسی عبادت کے ارادہ سے اس میں کیوں ثواب نہ ملے گا۔[۲]

شب قدر کی علامت

شب قدر میں حق تعالیٰ شانہ کی تجلی ہوتی ہے اور گو ہمیں ان تجلیات کا دکھائی دینا (اور محسوس ہونا) ضروری نہیں مگر اس کی پہچان اس سے ہوتی ہے کہ اس رات میں اور دوسری راتوں میں یہ فرق ہوتا ہے کہ اس رات میں دوسری راتوں کی بہ نسبت عبادت میں زیادہ جی لگتا ہے، قلب کو غفلت نہیں ہوتی۔[۳]

---

[۱] تقلیل المنام بصورۃ القیام ص ۶۴۔ [۲] روح الجوار ص ۲۸۱۔
[۳] روح الجوار ملحقہ برکات رمضان ص ۲۸۲۔

شب قدر میں کیا ہر چیز سجدہ ریز ہوتی ہے؟

ایک صاحب نے عرض کیا کہ یہ مشہور ہے کہ اس شب میں یعنی لیلۃ القدر میں سب چیزیں سجدہ میں ہوتی ہیں کیا یہ سچ ہے؟ فرمایا کہ کبھی ایسی حالت کسی کو مکشوف ہوجانا بعید نہیں، چنانچہ ایک مرتبہ ہماری پھوپھی صاحبہ نے ایک بار درودیوار گرا ہوا دیکھ کر شور وغل مچایا، بعد میں معلوم ہوا کہ شب قدر مکشوف ہوئی تھی، یا روشنی کا پھیلنا یہ بھی کبھی ہوجاتا ہے، مگر ضروری نہیں جیسا کہ مشہور ہے۔

البتہ یہ بات دائمی ہے کہ اس شب میں قلب کے اندر ایک سرور اور عبادت میں دل لگنا پایا جاتا ہے، اس حالت میں کہ جب چیزوں کا گرا ہوا ہونا یا انوار کا پھیلنا مشاہد ہو (یعنی کسی کو نظر آئے) تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس رات کو جس میں یہ ہوا دوسری راتوں پر جس میں یہ نہ ہو کچھ فضیلت ہو، ہاں البتہ اس حال میں دل لگنے کی حالت زیادہ ہوگی، اور قلبی توجہ میں اضافہ ضرور ہوگا کیوں کہ ایسے احوال کو توجہ ہوتی ہے[1]

لیلۃ القدر میں بھی جو محروم رہا وہ بالکل محروم ہی ہے

صاحبو! یہ ایسی برکت اور خیر کی چیز ہے کہ اس سے محروم ہوجانا گویا تمام خیر سے محروم ہوجانا ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

من حرم ليلة القدر فقد حرم الخير كله (جو شخص لیلۃ القدر سے محروم رہا وہ بہت بڑی بھلائی سے محروم ہوگیا) لیکن اس میں بعض لوگ یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر جاگا جائے تو پوری رات جاگا جائے اور اگر پوری رات نہ جاگا جائے تو کچھ فائدہ نہ ہوگا، یہ خیال بالکل غلط ہے اگر رات کے اکثر حصہ میں بھی جاگ لے تب بھی لیلۃ القدر

[1] مقالات حکمت ص ۱۶۱ ص ۶۴۔

کی فضیلت حاصل ہوجاتی ہے اور میں کہتا ہوں کہ اگر ساری رات بھی جاگ لیا جائے تو کیا مشکل ہے۔

صاحبو! رمضان شریف سال بھر کے بعد آتے ہیں، آپ کو معلوم ہوگا کہ پچھلے سال رمضان میں بہت سے لوگ ایسے تھے کہ وہ اس وقت دنیا میں نہیں رہے، ہم کو کیا خبر ہے کہ آئندہ رمضان تک کس کس کی باری ہے، اس لیے اگر اتنی بڑی نعمت حاصل کرنے کے لیے کوئی ایک دو رات جاگ ہی لے تو اس میں کیا دقت کی بات ہے۔[1]

شب قدر میں جاگنے کا طریقہ

شب قدر میں جاگنا چاہئے اور خدا کی عبادت کرنا چاہئے، ان راتوں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے رمضان کی دوسری راتوں کے مقابلہ میں زیادہ جاگنے کا اہتمام فرمایا، اور آپ ان راتوں میں ازواج مطہرات (اپنی بیویوں) کو بھی اہتمام سے جگاتے تھے۔

اور شب قدر میں کوئی ساری رات جاگنا ضروری نہیں، جس سے جتنا ہوسکے جاگے، ہاں یہ ضرور ہے کہ عبادت سے کسی قدر زائد ہوجائے۔[2]

بہر حال یہ وقت بڑا عزیز ہے، بڑے فیوض و برکات کا وقت ہے، اس میں جہاں تک ہوسکے اعتکاف کرو، اور اگر یہ نہ ہوسکے تو ان پانچوں راتوں ہی میں جاگ لو، اگر پوری رات نہ جاگ سکو تو بعض حصہ میں جاگ لو، بعض کے بھی بعض حصہ میں جاگ لو تب بھی کافی ہے۔[3]

اگر ساری رات نہ جاگ سکے اور نیند کا غلبہ ہو اور اکثر حصہ جاگ لے تب بھی شب قدر کی فضیلت ملے گی۔[4]

---

[1] احکام العشر الاخیرۃ ص ۱۳۷۸۔ [2] روح الجوار ص ۲۸۲ تقلیل المنام ص ۶۵۔ [3] روح الجوار ص ۲۸۳۔ [4] مثلث رمضان ص ۲۴۔

لیلۃ القدر کی پوری رات میں فضیلت ہے اور رات کے اکثر حصہ عبادت کرنے سے پوری رات کا ثواب ملتا ہے۔[۱]

اگر پوری رات جاگنے کی ہمت نہ ہو تو رات کے اکثر حصہ میں جاگنے کو تو چھوڑنا ہی نہ چاہئے، اور بہتر یہ ہے کہ یہ اکثر حصہ اخیر رات کا تجویز کیا جائے، کیوں کہ اول تو اس وقت معدہ خالی ہو جاتا ہے، عبادت اور دعاء میں خوب جی لگتا ہے۔

دوسرے حدیث میں آیا ہے کہ خدا تعالیٰ اخیر رات میں روزانہ اپنے بندوں کے حال پر خاص رحمت متوجہ فرماتے ہیں، اس کے علاوہ اخیر رات میں ویسے بھی سکون ہوتا ہے اور اس میں ہر رات شریک ہے۔[۲]

شب قدر میں کون سی عبادت کرنی چاہئے

شب قدر میں کیا پڑھنا چاہئے؟ ایسے مواقع پر سلف میں تین چیزیں معمول میں تھیں، اب لوگوں نے دو کو حذف کر کے ایک پر اکتفا کر لیا وہ تین چیزیں یہ تھیں۔

(۱) ذکر (۲) تلاوت قرآن (۳) نوافل۔

اس میں سے عابدین نے نفل نماز اور تلاوت قرآن کو حذف کر دیا، یعنی اس میں مشغولی بہت کم ہے، بس زیادہ تر (ذکر کرتے ہیں، تسبیحات پڑھتے ہیں) ضربیں لگاتے ہیں، اور اتفاق سے مجھ کو یہ تینوں چیزیں ایک آیت میں جمع مل گئی: اُتْلُ مَا اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنَ الْکِتَابِ وَاَقِمِ الصَّلٰوۃَ اِنَّ الصَّلٰوۃَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَلَذِکْرُ اللهِ اَکْبَرُ.[۳] (عنکبوت)

ترجمہ:- جو کتاب آپ پر وحی کی گئی ہے آپ اس کو پڑھا کیجئے اور نماز کی پابندی رکھئے، بیشک نماز اپنی وضع کے اعتبار سے بے حیائی اور ناشائستہ کاموں سے

[۱] مقالات حکمت ص ۱۶۱۔ [۲] احکام العشرۃ الاخیرۃ ص ۳۷۹۔ [۳] اصلاح الرسوم ص ۱۲۹ شب مبارک ص ۴۳۔

روک ٹوک کرتی رہتی ہے اور اللہ کی یاد بہت بڑی چیز ہے۔ (بیان القرآن)

شب بیداری کے لیے جمع ہونے کا اہتمام منع ہے

بعض جگہ شب قدر میں لوگ جمع ہو کر شب بیداری کا خاص اہتمام کرتے ہیں اس کا مکروہ ہونا فصل سوم میں بیان ہو چکا، اتفاق سے اگر دو چار آدمی جمع ہو جائیں وہ اور بات ہے، غرض اپنے طور پر ہر شخص اپنی ہمت کے مطابق عبادت میں مشغول رہے، (جمع ہونے کا) خاص اہتمام اور انتظام شریعت کے خلاف ہے۔[1]

بعض لوگ شب بیداری کے لیے فرائض سے زیادہ اس میں لوگوں کو جمع کرنے کا اہتمام کرتے ہیں، ہر چند کہ اجتماع سے (یعنی ایک ساتھ جمع ہو کر شب بیداری سہل تو ہو جاتی ہے، مگر نفل عبادت کے لیے لوگوں کے ایسے اہتمام سے بلانا اور جمع کرنا یہ خود شریعت کے خلاف ہے، البتہ اتفاقاً اگر کچھ لوگ جمع ہو گئے ہوں تو اس کا مضائقہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ گھر کے لوگ جمع ہو کر عبادت کریں۔[2]

شرعی دلیل

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ حضرت عثمان بن ابی العاص رضی اللہ عنہ کسی ختنہ میں بلائے گئے، تو آپؓ نے فرمایا کہ پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک میں ہم لوگ ختنہ میں نہیں جاتے تھے اور نہ اس کے لیے بلائے جاتے تھے۔ (روایت کیا اس کو احمد نے)

اس سے معلوم ہوا کہ جس کام کے لیے لوگوں کو بلانا سنت سے ثابت نہیں اس کے لیے بلانے کو صحابی نے ناپسند فرمایا اور جانے سے انکار کیا، اور وجہ اس کی یہ ہے کہ بلانا اہتمام کی دلیل ہے، تو شریعت نے جس امر کا اتنا اہتمام نہیں کیا اور بلانے کی

[1] اصلاح الرسوم فصل پنجم ص ۱۵۲۔ [2] اصلاح الرسوم ص ۱۲۹ شب مبارک ص ۴۳۔

ترغیب نہیں دی اس کا اہتمام کرنا دین میں نئی بات ایجاد کرنا ہے، اسی وجہ سے حضرت عمر رضی اللہ نے لوگوں کو جب مسجد میں چاشت کی نماز کے لیے جمع دیکھا تو براہ انکار اس کو بدعت فرمایا، اور اسی بناء پر فقہاء نے نفل جماعت کو مکروہ کہا ہے۔[1]

شب قدر کے گمان سے شب بیداری کی تو انشاء اللہ شب قدر ہی کا ثواب ملے گا

میں کہتا ہوں کہ اگر اتفاق سے وہ رات شب قدر نہ بھی ہو جس رات کو تم نے شب قدر گمان کر کے اس میں عبادت کی ہے، تو انشاء اللہ تم کو شب قدر ہی کا ثواب عطا ہوگا، اور یہ کوئی گھڑی ہوئی بات نہیں ہے، حدیث شریف میں اس کی اصل موجود ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ (کہ اعمال کا دارومدار نیتوں پر ہوتا ہے)۔

ممکن ہے کہ اس قاعدہ سے کسی کو اطمینان نہ ہو تو دوسری حدیث شریف موجود ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں:

اَلصَّوْمُ یَوْم تَصُوْمُوْنَ وَالْفِطر یَوْم تُفْطَرُوْنَ وَالاَضْحٰی یَوْمَ تَضحَوْنَ.

جس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص نے نہایت کوشش سے رمضان کے چاند کی تحقیق کی اور اس تحقیق کی بنا پر روزے رکھنے شروع کر دیئے پھر ختم رمضان پر عید کے چاند کی اسی طرح چھان بین کی اور اس کی بنا پر عید کر لی، اسی طرح عید الاضحی میں کیا اور چند دنوں کے بعد معلوم ہوا کہ تینوں تحقیق کے خلاف واقع ہوئیں تو اس صورت میں دل شکستہ (اور رنجیدہ) نہ ہونا چاہئے، بلکہ جس دن روزہ رکھا اللہ کے نزدیک قبول ہونے

[1] صلاح الرسوم ص ۱۰۷۔

کے اعتبار سے وہی دن روزہ کا تھا، اور جس دن عید کی وہی دن عید کا تھا، یعنی روزہ اور عید دونوں مقبول ہیں۔

پس اسی طرح میں کہتا ہوں کہ اگر شب قدر کی نیت سے عبادت کی ہے اور اتفاق سے وہ شب قدر نہ ہوئی تو ثواب تو شب قدر کامل جائے گا۔

صاحبو! اس تقریر کے بعد تو بہت ہی آسان معاملہ ہو گیا، اب بھی اگر ہمت نہ کی جائے تو غضب کی بات ہے۔[1]

حق تعالیٰ کی عنایت

فرمایا! میں نے تو اپنے جیسے کم ہمتوں کے لیے ڈھونڈ، ڈھانڈ کر حضرت سعید بن المسیب تابعی کا ایک قول نکالا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ عشاء کی نماز جماعت سے پڑھنے پر شب قدر کی فضیلت میسر ہو جاتی ہے۔[2]

(مالک انه بلغه ان سعید بن المسیب کان یقول من شهد العشاء من لیلة القدر فقد اخذ بحظه منها. (موطا مالک قبیل ذکر).[3]

جو لوگ رمضان کی راتوں میں شب قدر میں نہیں جاگ سکے ان کے لیے ضروری مضمون

جو لوگ شب قدر کو پا چکے ہیں، ان کے لیے تو بشارت (یعنی خوش خبری) ہے اور جو لوگ محروم رہے وہ آئندہ اس مضمون کو یاد رکھیں اگر خدا تعالیٰ پھر رمضان تک پہنچا دیں تو اس میں شب قدر کی عبادت کا اہتمام کریں، یہ میں نے اس لیے کہہ دیا کہ

[1] احکام العشر الاخیرہ ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ ص ۳۸۰۔ [2] افاضات الیومیہ ملفوظ ۴۸۱۔
[3] اوجز المسالک ۱۱۰/۳۔

شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ اب تو شب قدر کا وقت گذر چکا ہے، اب اس مضمون کے بیان کرنے کی کیا ضرورت ہے تو میں نے بتلا دیا کہ آئندہ کے لیے اس کو یاد رکھا جائے۔

اور صاحب! اگر مسلمان خدا تعالیٰ سے اپنا تعلق درست کر لے تو اس کے لیے وہی رات لیلۃ القدر ہے جس میں اس کا تعلق خدا تعالیٰ سے درست ہو جائے۔

ایک بزرگ فرماتے ہیں جو شخص شب قدر میں مردود تھا مگر آج کی رات مقبول ہو گیا تو اس کے لیے یہی رات لیلۃ القدر ہے، بلکہ اس کے حق میں اس سے بھی بہتر ہے، پس اگر شب قدر گذر گئی تو اس کا غم نہ کرو خدا تعالیٰ سے تعلق سے جوڑنے کی فکر کرو، جب خدا سے تعلق جوڑ لو گے تو وہ تمہارے واسطے رمضان کی اخیر رات کو بھی شب قدر کر سکتے ہیں۔[1]

اختلاف مطالع کی وجہ سے شب قدر ہر جگہ کی علیحدہ علیحدہ ہوتی ہے

اگر کسی کو شبہ ہو کہ شب قدر تو ایک مرتبہ ہوتی ہے اور ایک ہی ہوتی ہے اور اوقات میں تفاوت ہے مثلاً کہیں آفتاب ایک گھنٹہ پہلے ہوتا ہے کہیں دو گھنٹہ پہلے حتی کہ چھ چھ گھنٹہ کا بلکہ اس سے زیادہ فرق ہو جاتا ہے تو اس حالت میں بعض جگہ رات ہوگی اور بعض جگہ دن اور شب قدر رات کے ساتھ مخصوص ہے اور ایک ہی ہے تو جہاں رات ہے وہاں تو شب قدر ہو جائے گی اور جہاں دن ہے وہاں ہو ہی نہیں سکتی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اس کا وقت ہر جگہ کے لیے جدا جدا ہے مثلاً عدالت کھلنے کا وقت دس بجے ہے تو ہر جگہ کے دس بجے وہاں کی عدالت کھلے گی، کلکتہ میں وہاں کے وقت سے اور لندن میں وہاں کے وقت سے۔[2]

---

[1] النسوان فی رمضان فضائل صوم وصلوۃ ص ۲۴۶۔ [2] الوقت ملحقہ حقوق وفرائض ص ۴۷۸

باب ۴

الوداع کی شرعی حیثیت

رمضان کے ختم ہونے پر رنج وغم کا اظہار پسندیدہ نہیں

بعض لوگ رمضان کے آخری جمعہ میں یہ خصوصیت سمجھتے ہیں کہ اس دن جو خطبہ پڑھا جائے اس میں ''وداع'' (رخصتی) کا مضمون اور اس قسم کا مضمون ہونا چاہیے جس میں رنج وغم اور افسوس کا اظہار ہو۔

جناب! آپ کا دل ہی جانتا ہوگا کہ کیسا کچھ افسوس ہے، ابھی دل میں امنگیں اور شوق لگ رہا ہے کہ جلدی سے رمضان ختم ہوں تو سویاں اور چھوارے کھائیں اور دل میں کہتے ہوں گے کہ خدا کا شکر ہے کہ یہ بوجھ اترا، دل میں تو خوشی، پھر منہ سے رنج ظاہر کرنا تکلف ہی ہے اور اس کا امتحان یہ ہے کہ اگر تم کو واقعی غم ہے اور اللہ تعالیٰ کسی ذریعہ سے یہ حکم بھیج دیں کہ میرے بندوں کو رمضان کے جانے سے بہت غم ہے اچھا ایک مہینہ کے روزے ہم اور فرض کرتے ہیں، تو جناب ابھی سب کے منہ خشک ہو جائیں گے، یہ سب کہنے کی باتیں ہیں، رمضان بھر تو دنوں کو شمار کرتے ہیں کہ آج اتنے روزے ہوئے، اتنے باقی ہیں۔

یادرکھو! جو بات دل میں ہو، اسی کو ظاہر کرنا چاہئے، ورنہ ہم بیچارے تو کس شمار میں ہیں، صحابہ رضی اللہ عنہم سے اس پر باز پرس ہوگئی ہے، صحابہ رضی اللہ عنہم غزوۂ بدر کے بعد تمنا کیا کرتے تھے کہ کاش کوئی دن پھر بدر کی طرح ہو، اس میں ہم دشمن سے

مقابلہ کریں، جب غزوۂ احد ہوا تو اس میں مسلمانوں کو شکست ہوئی اور بعض صحابہ سے کچھ اجتہادی غلطی بھی ہوئی، جس کا بڑا قصہ ہے، اس پر حق تعالیٰ ان کو تنبیہ فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلُ اَنْ تَلْقَوْهُ . الآية

یعنی تم لوگ موت کی تمنا کر رہے تھے موت کے سامنے آنے سے پہلے، جب صحابہ کو اس پر تنبیہ ہوئی تو ہمارا کیا منہ ہے، ہم کو چاہئے کہ یوں کہیں کہ الٰہی تیرا شکر ہے کہ ہم سے یہ عبادت جس طرح بنی ادا ہوگئی اب آپ اس کو قبول کر لیجئے، رنج وافسوس وغیرہ کا اظہار واقعہ کے خلاف نہ کرو۔ اور اگر واقعی کچھ رنج ہو بھی تو اس پر خوشی بھی اسقدر غالب ہے کہ وہ رنج قابل اعتبار نہیں ہے اور وہ خوشی یہ ہے کہ غنیمت ہے کہ بیچ میں ہمارا روزہ ٹوٹا نہیں، خیر وعافیت سے سب پورے ہوگئے، بجائے رنج کے خوش ہونا چاہئے۔ اور اللہ کا شکر کرنا چاہئے، خدا جانے یہ رنج کس نے گڑھ لیا، روزہ کے ختم پر تو ہم کو خوشی کی تعلیم کی گئی ہے۔[1]

رمضان کے آخری جمعہ میں الوداعی خطبہ پڑھنا

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ رمضان کے آخری جمعہ میں جو خطبہ پڑھا جائے اس میں وداع اور افسوس کا مضمون ہونا چاہئے، لیکن اس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں، اس میں افسوس کرنا اور خطبہ میں ''الوداع الوداع یا شہر رمضان'' پڑھنا بالکل بے اصل ہے، البتہ رمضان المبارک کے آنے سے پہلے کا تو ایک مخصوص خطبہ منقول ہے، چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ شعبان کے آخری جمعہ میں حضور نے خطبہ پڑھا جس میں فرمایا تھا۔

''يَا اَيُّهَا النَّاسُ قَد اَظَلَّكُمْ شَهَرٌ عَظِيمٌ'' الخ

پس رمضان کے آنے کی خوشی تو ظاہر فرمائی ہے، مگر جانے کا غم ظاہر کرنا اور

[1] التہذیب ص٥٣٦۔

الوداعی خطبہ پڑھنا کہیں منقول نہیں [1]

بعض اہل علم کی غلط فہمی

اور بڑا تعجب تو یہ ہے کہ بعض اہل علم کو بھی دھوکہ ہوگیا اور وہ سخت غلطی میں مبتلا ہوگئے۔

کہتے ہیں کہ اگر چہ آخری جمعہ کے لیے کوئی خاص خطبہ تجویز کرنا بدعت ہے، لیکن اس کی وجہ سے چونکہ اکثر لوگ جمع ہوجاتے ہیں اس لیے اس کو اجتماع کے لیے معین اور اداءِ صلوۃ کا ذریعہ ہونیکی وجہ سے باقی رکھنا چاہئے، حالانکہ یہ سخت غلطی اور درپردہ خدااور رسول پر اعتراض کرنا ہے۔

غلطی تو اس لیے ہے کہ شریعت کا مشہور حکم ہے کہ اگر کسی کام کے کرنے میں کچھ مصلحتیں بھی ہوں اور کچھ مفاسد بھی ہوں اور وہ کام بالذات یا بالغیر شرعاً مطلوب نہ ہو تو ان مفاسد کی وجہ سے اس کام کو ترک کردیں گے اور مفاسد سے بچیں گے، مصالح کا اعتبار نہ کریں گے، یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے جس کو اہل علم اچھی طرح سمجھ گئے ہوں گے۔

البتہ عوام کے سمجھانے کے لیے میں اس کی ایک مثال بیان کرتا ہوں، مثلاً ایک شخص ناچ گانے کی مجلس منعقد کرے اور کہے کہ اگر چہ ناچ گانا فی نفسہ ممنوع اور حرام ہے لیکن میری غرض اس مجلس سے لوگوں کو جمع کرنا ہے تاکہ جمع ہوجانے کے بعد میں اپنی وجاہت سے کام لے کر ان کو نماز پڑھنے پر مجبور کروں اور اسی طرح ان کو نماز پڑھنے کی عادت ہوجائے، تو دیکھئے بظاہر اس مجلس کا مقصود کس قدر بہتر ہے کہ اس کے ذریعہ سے لوگوں کو نماز پڑھنے کی عادت ڈالی جاتی ہے۔

لیکن چونکہ اس مجلس میں ایک مصلحت کے ساتھ بہت سے مفاسد بھی شامل ہیں

---

[1] التہذیب ص:۵۳۶۔

اور ناچ گانے کی مجلس مقصود بالذات یا بالغیر نہیں، جیسا کہ ظاہر ہے، اس لیے شریعت اس مصلحت مذکورہ کی وجہ سے اس کی اجازت نہ دے گی، بلکہ اس کے مفاسد پر نظر کر کے اس مجلس کے منعقد کرنے ہی کو منع کرے گی۔

اس مثال سے سمجھ میں آ گیا ہوگا کہ وہ کلیہ اس وقت ہے کہ جب وہ امر مطلوب نہ ہو، ورنہ مفسدہ کی اصلاح کریں گے اور اس کام کو ترک نہ کریں گے۔

خطبۃ الوداع کا حکم شرعی دلائل کی روشنی میں

قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم شَهرُ رَمَضَانَ هُوَ شَهرٌ اَوَّلُه رَحْمَةٌ واوسطه مَغْفِرَةٌ، وآخرُهٗ عِتْقٌ مِنَ النِّيرانِ .

ترجمہ:- حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رمضان کے مہینہ کا پہلا عشرہ رحمت ہے، درمیانی حصہ مغفرت ہے، آخری عشرہ دوزخ سے خلاصی ہے۔ یہ حدیث شریف ایک بڑی حدیث کا جزء ہے جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان المعظم کے آخری جمعہ کے دن خطبہ میں پڑھا تھا۔

اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں ایک خاص خطبہ پڑھا جو کہ اور جمعہ میں نہ پڑھتے تھے، مسلمانوں سے تعجب ہے کہ انھوں نے اس منصوص خطبہ پر تو توجہ نہ کی اور شعبان کے آخری جمعہ کے لیے کوئی خاص خطبہ تجویز نہ کیا جس کی وجہ سے وہ عامل بالسنۃ ہوتے، اس کے بجائے رمضان کے آخری جمعہ کے لیے ایک خاص خطبہ الوداع اختراع کیا، جس کا کہیں حدیث میں پتہ نہیں، اور پھر اس کے ساتھ ایسا شغف ہوا کہ اس خاص خطبہ کے پڑھے بغیر یہ سمجھا جاتا ہے کہ گویا جمعہ ہی نہیں ہوا، اگر چہ بحمد اللہ اس وقت لوگوں کو اس کے نہ پڑھنے سے وہ وحشت جو پہلے ہوتی تھی نہیں ہوتی، لیکن اب بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو کہ اس

خاص الوداعی خطبہ کو رمضان کے آخری جمعہ میں لازمی عمل سمجھتے ہیں۔

خطبۃ الوداع میں مصلحتیں بیان کرنا اللہ ورسول پر اعتراض کرنا ہے

الوداعی خطبہ میں مصلحتیں بیان کرنا در پردہ خدا اور رسول پر اعتراض ہے، کیوں کہ (اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ) جب بعض بدعتیں بھی مصالح کی وجہ سے مطلوب ہوئیں تو گویا اس شخص کے نزدیک کتاب اور سنت کی تعلیم ناقص ہوئیں، کہ بعض ضروری مصلحتوں کی تعلیم میں فروگذاشت ہوگئیں (یعنی شارع کے بیان سے رہ گئیں) کیا کوئی اس کا قائل ہوسکتا ہے؟ اسی لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہر بدعت کو گمراہی فرمایا ہے۔

اور بعض بدعت کے حسن ہونے میں اگر شبہ ہو تو در حقیقت وہ بدعت ہی نہیں، اور اس قسم کا احتمال خطبۃ الوداع میں نہیں ہوسکتا، کیوں کہ اگر یہ معنیً سنت ہوتا تو سلف میں اس کی نظیر ضروری ہوتی (صحابہ، تابعین وائمہ کرام سے ضرور منقول ہوتا) عرق ریزی کے بعد اگر کوئی دور کی نظیر نکال بھی لی جائے تو دوسرے مانع کا کیا جواب ہوگا (وہ یہ کہ) عوام کے التزام (یعنی اس کو ضروری سمجھنے کی وجہ) سے بدعت ہوگیا، اور بدعت بھی بدعت ضلالت؛ جس پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نار (دوزخ) کی وعید فرمارہے ہیں اور حضور کا ارشاد بالکل حق ہے تو ایسے امر کا التزام اور اس میں مصلحتیں نکالنا خدا اور رسول پر اعتراض کرنا ہے۔

غرض جو چیز شرعاً مطلوب نہ ہو اور اس کے کرنے میں مفسدہ بھی ہو تو اس کو ترک کردیں گے، جب یہ قاعدہ کلیہ معلوم ہوگیا تو اب سمجھنا چاہئے کہ الوداع کا خطبہ کسی بھی شرعی دلیل سے مطلوب نہیں ہے اور اس کے پڑھنے میں بہت سے مفاسد ہیں لہٰذا اس کو ضرور ترک کیا جائے گا۔

اس شبہ کا جواب کہ اگر خطبۃ الوداع نہ پڑھا جائے تو لوگ آنا چھوڑ دیں گے

رہی یہ بات کہ لوگ اس بہانہ سے آجاتے ہیں اگر یہ نہ ہوگا تو لوگ نماز میں آنا چھوڑ دیں گے، سو سمجھ لینا چاہئے کہ جو لوگ خدا کے لیے نماز پڑھتے ہیں وہ تو ہر حالت میں آئیں گے، خطبۃ الوداع پڑھا جائے یا کوئی دوسرا خطبہ، اور جو لوگ محض رسم کی پابندی کے لیے آتے ہیں وہ اگر اس کی وجہ سے آنا چھوڑ بھی دیں تو ان کی وجہ سے ہم قبیح امر (یعنی بدعت) کے کیوں مرتکب ہوں؟ خواہ وہ آئیں یا نہ آئیں، جو لوگ خطبہ الوداع کے نہ ہونے کی وجہ سے نہ آئیں ان کے نہ آنے کی کچھ پرواہ نہ کی جائے گی اور ایسے وہمی مصالح کی وجہ سے اس قسم کے بدعات کی اجازت نہ دی جائیگی۔[1]

الوداعی خطبہ کی ابتداء

بعض بزرگوں نے جن کو صرف شوق تھا اور علم وحکمت سے خالی تھے، انھوں نے الوداع کا خطبہ ایجاد کیا تھا، ایسے بہت سے لوگ گذرے ہیں جن کو عبادات کا شوق تھا مگر علم وحکمت سے خالی تھے، ان ہی کی ذات سے بدعت پھیلی ہے، اسی شوق کی وجہ سے ان لوگوں نے الوداع کا خطبہ گھڑا ہے، جس کو لوگ سن کر روتے ہیں جس سے ایک شان ظاہر ہوتی ہے جیسے رافضیوں کے تعزیہ میں رونا ہوتا ہے، ہم لوگ ایسی شان کو منع کرتے ہیں اسی وجہ سے لوگ ہمیں گالیاں دیتے ہیں کہ یہ کہاں سے آ گئے۔

پہلے لوگ الوداع کا بہت اہتمام کرتے تھے، اس دن خوب بناؤ سنگار کرتے تھے اور جمعہ میں بہتر سے بہتر کپڑے پہن کر آتے تھے، ان بزرگوں کا مقصود تو یہ تھا کہ اس

[1] معارف حکیم الامت ص ۳۵۸، اکمال الصوم والعید ملحقہ برکات رمضان ص ۴۶۱ تا ص ۴۶۳۔

سے دل میں رقت (نرمی) پیدا ہوگی (عبادت کا شوق ہوگا) تاکہ بقیہ رمضان کے دنوں میں اپنے بخشوانے کی فکر کریں گے، مگران لوگوں نے نفع کو تو دیکھا خرابی کو نہ دیکھا کہ آئندہ لوگ کیا کریں گے، اب تو لوگوں نے اس کا التزام کرلیا ہے، حتی کہ الوداع کا خطبہ نہ پڑھنے سے یہ سمجھتے ہیں کہ جمعہ ہی نہیں ہوا۔

میں کہتا ہوں کہ اگر رخصت کے لیے خطبہ ضروری ہے تو ایک خطبہ رمضان کے آنے کا ہونا چاہئے، آنے کو بھی یاد دلانا چاہئے تاکہ آنے سے خوش ہوں، اور اعمال کا اہتمام کریں اور اس کی تو کچھ اصل بھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے شعبان کے آخری جمعہ میں رمضان کو یاد دلایا ہے۔ اور اس میں خطبہ دیا ہے اور الوداع کی تو کچھ اصل بھی نہیں اگر رخصت کرتے ہو تو استقبال بھی تو کرو، جب استقبال نہ کیا تو معلوم ہوا کہ (آپ کے نزدیک) کوئی معزز مہمان نہ تھا، محض بے گار تھی، جس کو جلدی سے بغیر استقبال اور بغیر خاطر مدارات کے نکال دیا، ورنہ اگر جانے کا رنج ہو تو آنے کی خوشی بھی ہونی چاہئے، اور اسی خوشی میں رمضان کے قبل یا شروع ایک خطبہ ''مرحبا مرحبا'' کا بھی ہونا چاہئے سو وہ خطبہ کہاں ہے؟

بس بزرگوں کی اصل غرض یہ تھی کہ لوگ اپنی اصلاح کرلیں اس لیے الوداع پڑھتے تھے، کہ ارے بھائی اب تو رمضان جارہے ہیں اب تو اپنی اصلاح کرلو، خواہ تھوڑے ہی دن سہی، یہ مقصود تو اچھا ہے۔ مگر اس کے لیے (ایسے) خطبہ کے ایجاد کی کیا ضرورت ہے (جس کی شریعت میں کوئی اصل نہیں) اصلاح کی صورت تو یہ ہے کہ لوگوں کو متنبہ کیا جائے کہ گناہوں کو چھوڑ دیں، اور رمضان کے جو فضائل ہیں ان کو بیان کیا جائے۔ اجر الصیام من غیر نصرام ملحقہ التبلیغ ۱۹/۸۱)

الوداعی خطبہ پڑھنے والوں سے خطاب

اگر آپ کو واقعی رمضان کے جانے کی حسرت ہوتی ہے تو رمضان کے آنے کی

خوشی بھی تو ہونا چاہئے، شروع رمضان میں ایک خطبہ ''مرحبا مرحبا شہر رمضان'' کا بھی پڑھنا چاہئے، اور وہاں مرحبا کا تکرار خوشی کے لیے مفید ہے اور یہ محاورہ کے موافق بھی ہے۔

صاحبو! یہ سب زبانی دعوے ہیں، ورنہ دلوں کو ٹٹول کر دیکھ لیا جائے کیا ان لوگوں کو واقعی رمضان کے جانے کی حسرت ہوتی ہے؟ ہرگز نہیں، رمضان کی ۲۹؍تاریخ ہی کو نہ معلوم کتنوں کی نیتیں بگڑ جاتی ہیں کہ آج کسی طرح چاند ہو ہی جائے، خصوصا یہ سن کر کہ بعض جگہ آج تیس ہے، اس حالت میں یہ کیسے مان لیا جائے کہ ان کو رمضان کے آنے کی مسرت اور جانے کا افسوس ہے بلکہ معاملہ اس کے برعکس ہے کہ رمضان کے آنے سے گرانی ہوتی ہے اور جانے سے خوشی ہوتی ہے۔

بعض لوگ رمضان کے آخری جمعہ کو ''الوداع الوداع یا شہر رمضان'' پڑھتے ہیں کہ ''اے رمضان رخصت رخصت'' اور اس لفظ کو بار بار کہتے ہیں اور جو شخص دو بار تین بار کہے ''رخصت رخصت'' زبان دانوں سے پوچھو، وہ اس کا مطلب بیان کریں گے، سب یوں ہی کہیں گے کہ پاپ یعنی مصیبت کاٹ رہا ہے، اگر اس کو افسوس ہوتا تو بار بار رخصت رخصت نہ کہتا، بلکہ ایک ہی بار دبی زبان سے رخصت کہتا۔[1]

الوداع میں خصوصیت سے نئے کپڑے پہننا

بعض لوگ خصوصیت سے رمضان کے آخری جمعہ (الوداع) میں نئے کپڑے پہنتے ہیں، اور مشہور ہے کہ آخری جمعہ کو جس قدر نئے کپڑے پہن لو، اس کا کوئی حساب وکتاب نہ ہوگا اس کا جواب یہ ہے کہ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صَادِقِيْنَ (یعنی اگر تم اپنی بات میں سچے ہو تو دلیل بیان کرو۔[2]

---

[1] النسوان فی رمضان ملحقہ فضائل صوم ص ۲۳۷۔ [2] التہذیب ۲/ ۵۳۳۔

باب۵

عید مقرر کرنے کی حکمت

ہر قوم میں کوئی نہ کوئی ایسا دن ضرور ہوتا ہے جس میں عام طور سے خوشی منائی جاتی ہے اور عمدہ لباس پہنا جاتا ہے اور عمدہ کھانے کھائے جاتے ہیں، چنانچہ حدیث شریف میں ہے لِكُلِّ قَوْمٍ عِيْدٌ وَهٰذَا عِيْدُنَا ہر قوم کی ایک عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

ہر قوم میں کچھ دستور اور رسمیں اور عادتیں ہوتی ہیں، منجملہ ان کے میلے بھی ہیں جن کا تمام متمدن اور غیر متمدن قوموں میں رواج ہے، میلے کے دن خوراک، لباس اور ملاقات میں نمایاں تبدیلی ہوتی ہے اور یہ فطری چیز تھی، مگر اس میں بڑھتے بڑھتے خواہشات نفس کو بہت دخل ہوگیا، بہت سے میلے تجارت کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں، چنانچہ ہندوستان میں تجارت کے بہت سے ایسے میلے ہوتے ہیں، یہاں تک کہ ہر ہفتہ کسی نہ کسی گاؤں میں میلہ ہوتا ہے بعض میلوں میں جانوروں کو جمع کرتے ہیں، بعض لوگ نذر و نیاز کے لیے اور بعض لوگ اپنی عظمت اور شان کے اظہار کے لیے اور بعض لوگ اپنے گذارے (یعنی کمائی) کے لیے میلے کرتے ہیں۔

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جہاں بڑے بڑے احسانات ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ آپ نے ان میلوں کی اصلاح فرمادی ہے، چونکہ یہ ایک فطری بات

ہے اس لیے ان کی اصل کو باقی رکھا (بالکلیہ ختم نہیں فرمایا) صرف اصلاح کر دی، اور وہ اس طرح کہ آپ نے جس طریقہ سے اور قسم کے رسوم ورواج کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور مخلوق پر شفقت کے تحت لے لیا اسی طرح ان میلوں میں بھی یہی بات پیدا کر دی، چنانچہ آپ نے عید میں اولاً تو تکبیر کو لازم قرار دیا، اور خدا تعالیٰ کی تعظیم کے اظہار کے لیے وہ لفظ مقرر کیا جس سے بڑھ کر کوئی لفظ نہیں ہے اور وہ اللہ اکبر ہے (جو عید کے دن عید کے خطبہ میں بار بار کہا جاتا ہے) یہ تو اللہ کی تعظیم ہوئی۔

اور مخلوق پر شفقت کرنے کے لئے رمضان کی عید میں صدقۂ فطر کو لازم ٹھیرایا، یہاں تک کہ عید کی نماز میں اس وقت جائے جب پہلے اس کو ادا کرے، اصل سنت یہی ہے۔

اور پھر بعض قوموں میں یہ صدقہ خاص جگہ (یعنی بیت المال) میں جمع کریں تاکہ مسکینوں، محتاجوں کو یقین ہو جائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔

اور عید الاضحیٰ میں مسکینوں، محتاجوں کے لیے گوشت کی مہمانی مقرر فرمائی۔

یہ چیزیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے کی تھیں کہ اللہ تعالیٰ کے اور مخلوق کے جو فرائض وحقوق انسان پر ہیں ان کو پورا کریں۔ دنیا کے کسی میلہ کو دیکھ لو کہ ان میں ان حقوق کی حفاظت اور یہ حکمت کی باتیں نہیں پائی جاتی ہیں جو عید میں ہیں [1]

عید کے دن حق تعالیٰ کا فرشتوں سے فرمان

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے لمبی حدیث میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عید کا دن ہوتا ہے اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ انھوں نے میرا فرض ادا کیا پھر دعاء کے لیے نکلے ہیں اپنے عزت وجلال اور کرم وشان اور

[1] المصالح العقلیہ ص ۱۶۰ ص ۱۶۱۔

بلندی کی قسم میں ضرور ان کی دعاء قبول کروں گا، پھر فرماتا ہے کہ واپس جاؤ، میں نے تم کو بخش دیا، اور تمہاری برائیوں کو بھلائیوں سے بدل دیا پس وہ بخشے بخشائے واپس آتے ہیں۔[۱]

عیدین میں عمدہ کھانا کھانے اور نفیس کپڑے پہننے کی ضرورت

جب عید کا دن خدا تعالیٰ کی طرف سے بندوں کے لیے خاص ضیافت ومہمان نوازی کا دن ہے تو اس میں ضروی ہے کہ خدا تعالیٰ کی یہ خاص ضیافت ومہمانی عمدہ اور نفیس کھانوں سے ہو، اور اس کی قدر کی جائے، لہٰذا اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں سے خدا تعالیٰ کی طرف سے عمدہ کھانے پکائے جائیں اور کھانے پینے اور لباس میں جائز حد تک وسعت کی جائے، کیوں کہ اس میں اللہ تعالی کی دعوت ومہمان کی تعظیم وتکریم پائی جاتی ہے اور چونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مہمانی کا دن ہے اس لیے مومن کو چاہئے کہ کھانے میں توسیع کرے (یعنی خوب جی کھول کر کھائے پکائے) اور غریبوں کی خبر گیری کرے۔[۲]

روزہ دار کے لیے افطار کے وقت خوشی کا موقع ہوتا ہے

حدیث شریف میں ہے: لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الافْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ۔

یعنی روزہ دار کے لیے دوخوشیاں ہوتی ہیں ایک تو خوشی افطار کے وقت اور دوسری اپنے پروردگار سے ملاقات کے وقت۔

اگر ہمارے دعوؤں کی رعایت ہوتی تو بجائے خوشی کے افسوس ظاہر کیا جاتا، اس لیے کہ اس رنج کی جو علت ہے یعنی رمضان المبارک کا رخصت ہونا، اس کا کچھ حصہ

---

[۱] مشکوۃ از بیہقی، حیوۃ المسلمین ص ۲۴۹۔ [۲] المصالح العقلیہ ص ۱۶۳۔

(یعنی تھوڑا بہت افسوس تو) افطار کے وقت بھی ہونا چاہئے، اس لیے کہ ایک دن اور کم ہو گیا لیکن یہ نہیں فرمایا گیا بلکہ خوشی کی خبر دی گئی۔

باقی جو خوشی ہم کو افطار کے وقت ہوتی ہے دیکھنے کی بات یہ ہے کہ کون سی خوشی کی خبر دی گئی ہے اور کس بات کی خوشی کی خبر ہے، تو ہم دیکھتے ہیں کہ دو قسم کی خوشی ہوتی ہے، ہم کو تو اس کی خوشی ہوتی ہے کہ اب کھانے کا وقت آ گیا ہے، پھلکیاں کھائیں گے اور جلیبیاں کھائیں گے، اور جو اللہ والے ہیں ان کو یہ خوشی ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہماری عبادت کو محفوظ کر رکھا اور خیریت سے روزہ پورا ہو گیا، بہر حال کسی قسم کی خوشی ہو، سب پسندیدہ اور مطلوب ہیں، باقی رنج کے مطلوب ہونے کی کوئی دلیل نہیں ہے، بہر حال رنج نہ واقعۃً ہوتا ہے اور نہ ہی اس کی کوئی اصل ہے، پس افسوس اور رنج کرنا اور خطبہ میں الوداع الوداع یا شہر رمضان پڑھنا بالکل بے اصل ہے۔[1]

افطار کے وقت اور رمضان ختم ہونے کے وقت خوشی

رمضان کا ختم ہونا شرعاً خوشی کا باعث بھی ہے، اس خیال سے خوشی ہو کہ الحمد للہ خدا تعالیٰ نے ہم سے یہ کام لے لیا، چنانچہ علماء نے حدیث **للصائم فرحتان فرحة عند الفطر وفرحة عند لقاء الرحمن** (کہ روزہ دار کے لیے دو خوشیاں ہیں، ایک افطار کے وقت، دوسرے اللہ سے ملاقات کے وقت) اس کی تفسیر میں علماء نے یہی فرمایا ہے کہ افطار کے وقت جو خوشی ہوتی ہے وہ عمل پورا کرنے کی وجہ سے ہوتی ہے کہ خدا کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کام لے لیا اور روزہ خیر و عافیت سے پورا ہو گیا۔

اور بعض حضرات نے افطار کے وقت خوشی کا ظاہری سبب بھی بیان فرمایا کہ افطار کے وقت بھوک ختم ہوتی ہے، طرح طرح کی غذائیں کھانے پینے کو ملتی ہیں، یہ اختلاف تفسیر اختلاف مذاق پر مبنی ہے۔[2]

---

[1] التہذیب ص ۵۳۵۔ [2] النسوان فی رمضان ص ۲۳۸۔

عید کی خوشی اور اللہ کی طرف سے انعام

''عید''صرف (ظاہری خوشی اور) کھانے پینے ہی کا نام نہ سمجھئے، بلکہ اس میں ظاہری خوشی کے علاوہ ایک روحانی اور شرعی خوشی بھی ہے،اس کا بھی لحاظ کریئے ، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

لِلصَّائِمِ فَرْحَتَانِ فَرْحَةٌ عِنْدَ الاِفْطَارِ وَفَرْحَةٌ عِنْدَ لِقَاءِ الرَّحْمٰنِ یعنی روزہ دار کو دو خوشی ہوتی ہیں ایک افطار کے وقت دوسری خوشی اللہ سے ملاقات کے وقت جو آخرت میں ہوگی۔

اور اس حدیث میں اگر چہ روزمرہ کے افطار کا ذکر ہے لیکن قیاس کیجئے یا دلالۃ النص کے اعتبار سے سمجھئے،عموم لفظ کی وجہ سے اس میں دوسرے افطار یعنی افطار اکبر پر بھی دلالت ہے (جس کو ہم عید کہتے ہیں) سو اس کا بھی یہی حکم ہے،اس اعتبار سے اس افطار اکبر (یعنی عید) کے متعلق بھی یہ ارشاد ہوگا کہ اس وقت بھی فرحت ہوتی ہے۔

باقی یہ کہ افطار کے وقت خوشی کس بات کی ہوتی ہے،سو ایک خوشی تو اہل ظاہر (یعنی عوام) کو ہوتی ہے کہ کھانا پینا ملا ، اور ایک خوشی افطار کے وقت اہل حقیقت (یعنی خواص) کو ہوتی ہے کہ حق تعالیٰ کی توفیق سے عبادت پوری ہوئی ، (اور عافیت وسلامتی سے روزے پورے ہوئے) یہ وہ روحانی خوشی ہے جس کا لحاظ عید کے روز بھی کرنا چاہئے [1]

اور جب یہ روحانی خوشی عمل پورا ہونے سے ہوتی ہے تو جس وقت عمل پورا ہوتا ہے اس وقت کیا ہوتا ہے؟ وہ ہوتا ہے جو حدیث پاک میں عید کی فضیلت کے متعلق آیا ہے کہ حق تعالیٰ فرشتوں کو جمع کر کے فرماتے ہیں کہ اے فرشتو! اس اجیر (مزدور) کا

[1] روح الافطار ص ۱۷۹ ص ۱۸۰۔

کیا بدلہ ہے جس نے اپنا عمل پورا کرلیا ہو، فرشتے عرض کرتے ہیں کہ اس کا بدلہ یہی ہے کہ اسے پوری اجرت دے دی جائے، حق تعالیٰ فرماتے ہیں انھوں نے روزے رکھے تھے جو ہمارے یہاں مقبول ہوگئے (اے فرشتو!) تم گواہ رہنا کہ ہم نے سب کی مغفرت کردی۔[1]

مجاہدہ کے بعد عید کی خوشی منانا

اللہ تعالیٰ نے رمضان کے مجاہدہ کو ختم کرکے کھانے پینے اور عیدگاہ میں جانے اور خوشی منانے کا حکم دیا ہے اور عید کے موقع پر طبعی فرحت کے اسباب کا حکم دیا، مثلاً لباس زینت سے آراستہ ہونا، خوشبو لگانا، جمع ہونا خوشی ظاہر کرنا، وغیر ذلک اور اس میں بھی یہ نہیں کہ لہوولعب (کھیل تماشہ شوروشغب، شرارت بے حیائی) ہو، بلکہ اس دن میں ایک خاص عبادت مقرر فرمائی اور اس کا طرز جداگانہ رکھا کہ شہر سے باہر جنگل میں جائیں اور اچھے اچھے کپڑے پہنیں اور وہاں جاکر نماز پڑھیں اور اس نماز کا طریقہ بھی جداگانہ رکھا کہ اور نمازں کے مقابلہ میں اس میں چھ مرتبہ اللہ اکبر زیادہ ہے، یہ اس وجہ سے ہے کہ خوشی کے جوش میں ایک موحد اور خداپرست کی زبان سے اللہ اکبر ہی نکلا کرتا ہے۔

ہماری خوشی بھی ایسی ہے کہ اس میں عبادت بھی ہے، بخلاف دوسری قوموں کے کہ ان کے یہاں خوشی کے دن لہو ولعب اور بعض قوموں میں فسق و فجور تک ہوتا ہے۔[2]

فائدہ:- عید کی نماز واجب ہے، صدقہ فطر بھی واجب ہے اور غسل کرنا، عطر لگانا اور اچھے اچھے کپڑے پہننا مستحب ہے۔[3]

---

[1] روح الافطار ص ۲۰۵، ملحقہ برکات رمضان۔ [2] التہذیب ص ۵۶۵۔ [3] التہذیب ص ۵۶۶۔

عید کے دن روزہ رکھنا کیوں حرام ہے

ماہ رمضان کے روزے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر فرض کئے ہیں اور یکم شوال لوگوں کی عید اور خوشی کا دن ہے جس میں خدا تعالی نے لوگوں پر کھانا پینا بطور شکر گذاری کے (انعام کے طور پر) مباح کیا ہے، اس لیے اس دن سب لوگ خدا تعالیٰ کے مہمان ہوتے ہیں۔ لہٰذا خدا تعالی کے مہمان کو واجب ہے کہ اس کی دعوت اور مہمانی کو قبول کرے اور یہ امر خدا تعالیٰ کو سخت ناپسند ہے کہ اس دن کوئی شخص روزہ رکھ کر خدا تعالی کی مہمان نوازی اور دعوت کو رد کرے، مہمان کے لوازم اور آداب میں سے یہ بھی ہے کہ اگر روزہ رکھے تو صاحب خانہ یعنی میزبان سے پوچھ کر رکھے پس جب یکم شوال کو تمام مسلمان خدا تعالی کے خاص مہمان ہوتے ہیں، تو پھر اس دن کسی کو روزہ رکھنا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔

الغرض یکم شوال (یعنی عید کا دن) ایسا دن ہے کہ اس میں تمام مسلمان اپنے پرور دگار کے مہمان ہوتے ہیں، یوں تو تمام مخلوق خدا تعالیٰ کے دائمی مہمان ہیں، مگر یہ دن ان کی ایک خصوصی مہمانی کا ہے جس کو رد کرنا بہت بڑا جرم ہے۔[1]

عید کی رات کو روزہ رکھنا اور اذان تک کچھ نہ کھانا

بعض علاقوں میں ایک رسم یہ ہے کہ عید کے دن سحری کے وقت فجر کی اذان کا انتظار کرتے ہیں، اور جب اذان ہوتی ہے تو کہتے ہیں کہ روزہ کھول لو، اس کے بعد کچھ کھاتے ہیں (اور رات میں کچھ نہیں کھاتے) تو ان کے نزدیک اب تک رمضان ہی باقی تھا، شوال کی پہلی رات بھی گذر گئی، اور ان کے یہاں ابھی روزہ ہی ہے، حدیث شریف میں تو آیا ہے'' افطروا لرویتہ ''یعنی جب عید کا چاند ہو جائے افطار کرو، ان

[1] المصالح العقلیہ ص ۱۵۰۔

کے یہاں ایک رات اور گذرنا چاہئے، یہ دین میں زیادتی نہیں اور کیا ہے، ایسے موقع پر تو رسم توڑنے کے لیے قصداً فجر سے پہلے ہی کھانا چاہئے۔[1]

عید میں اللہ کی طرف سے دعوت

جس طرح عید میں خوشی دو طرح کی ہوتی ہے، ظاہری اور باطنی، اسی طرح عید میں (حق تعالیٰ کی طرف سے) دعوت بھی دونوں طرح کی ہے ظاہری اور باطنی بھی۔

ظاہری دعوت تو یہ کہ چھوارے اور سوئیاں...... یہ مہمانی کا حق ہے اور یہ جو مسئلہ ہے کہ دعوت کا قبول نہ کرنا گناہ ہے یہ عید کی دعوت (جو اللہ کی طرف سے ہے) اس کا پورا مصداق ہے، چنانچہ اس دن اگر کوئی روزہ رکھے گا تو گنہگار ہوگا، بھلا خدا دعوت کرے اور قبول نہ کرو؟ نہیں، کھانا پڑے گا، یہ افطار اکبر کا دن ہے۔

اور ایک باطنی دعوت ہے وہ یہ کہ حق تعالیٰ کا عشق و تعلق، اس وقت اللہ تعالیٰ سے خوب مانگے اور دعائیں کرے۔[2]

عید میں بخشش کا اعلان

عید کے دن اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرماتا ہے کہ اے فرشتو! کیا بدلہ ہے اس شخص کا جو اپنا کام پورا کر چکے وہ عرض کرتے ہیں جَـزَاؤُہٗ اَنْ یُّوَفّٰی اَجْـرَہٗ یعنی اس شخص کا بدلہ یہ ہے کہ اس کی اجرت پوری دے دی جائے، پھر ارشاد ہوتا ہے، اپنے گھروں کو جاؤ، میں نے تم سب کی مغفرت کر دی اور تمہارے سیئات کو حسنات سے (یعنی گناہوں کو نیکیوں سے) بدل دیا۔[3]

---

[1] تطہیر رمضان ص ۳۶۔ [2] روح الافطار ص ۲۱۷۔ [3] حوالہ مذکور۔

باب ۶

شکریہ میں صدقۂ فطر ادا کرنا

عید کے دن میں ایک طریقہ ادائے شکر اور اظہار خوشی کا یہ مقرر فرمایا ہے کہ مالداروں پر صدقۂ فطر مقرر کردیا، اس لیے کہ حق تعالیٰ نے ہم پر جو نعمت فائز فرمائی کہ ہم سے روزے ادا ہو گئے اس کا شکریہ ہے کہ اپنے بھوکے ہونے کو یاد کر کے اپنے بھوکے مسلمان بھائی کی امداد کرے اور کم از کم اتنا کھانا اس کو دے دے جو اس کے لیے دو وقت کے لیے کافی ہو۔

نیز اس میں اپنی خواہش کی تکمیل بھی ہے اس لیے کہ مجمع میں اگر ایک شخص بھی رنجیدہ ہوتا ہے تو سب پر اس کا اثر ہوتا ہے تو مالداروں پر صدقۂ فطر مقرر فرمادیا تاکہ سب مسلمان بھائی آج خوش نظر آئیں اور خوشی کی تکمیل ہو جائے ورنہ اپنے بھائیوں کو افسردہ دیکھ کر دل پھٹ جاتا ہے، غرض اس میں ادائے شکر بھی ہے اور خوشی کی تکمیل بھی اور اس کے ساتھ صدقہ کے معنی بھی، اسی لیے غیر روزہ دار اور بچوں کی طرف سے بھی صدقۂ فطر ادا کیا جاتا ہے۔[1]

صدقۂ فطر کیوں مقرر کیا گیا

عید الفطر میں صدقۂ فطر اس واسطے مقرر کیا گیا ہے کہ صدقۂ فطر روزہ داروں کے لیے طہارت اور ان کے روزوں کی تکمیل کا ذریعہ ہے (یعنی روزہ میں جو کوتاہیاں

[1] التہذیب ص۵۶۶۔

ہوگئی ہوں اس کا تلافی صدقۂ فطر سے ہوجاتی ہے) جس طرح کہ نماز میں فرائض کی تکمیل کے لیے سنتیں مقرر کی گئی ہیں، ایسے ہی یہ صدقہ مقرر ہے۔

دوسرے اس وجہ سے بھی کہ مالداروں اور دولت مندوں کے گھروں میں تو اس روز عید ہوتی ہے، مگر مسکین ومفلسوں (محتاجوں غریبوں) کے گھروں میں ناداری اور غربت کی وجہ سے اسی طرح سے روزہ کی شکل موجود ہوتی ہے، لہذا خدا تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر شفقت کی وجہ سے مالداروں پر ضروری قرار دیا کہ مسکینوں محتاجوں کو عید سے پہلے صدقہ دے دیں تا کہ وہ بھی عید کریں، یہاں تک کہ عید سے پہلے ہی ان کو صدقہ دینا لازم قرار دیا اور اگر مسکین ومحتاج زیادہ ہوں تو یہ صدقہ خاص جگہ (یعنی بیت المال) مین جمع کرنے کا اشارہ ہوا تا کہ مسکینوں کو یقین ہو جائے کہ ہمارے حقوق کی حفاظت کی جائے گی۔[1]

صدقۂ فطر کب ادا کرنا چاہئے

ایک بات قابل ذکر یہ ہے کہ صدقۂ فطر نماز سے پہلے دینا مناسب ہے، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی سنت ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ جیسے تمہاری عید ہے ایسے ہی مسکینوں، غریبوں کی بھی تو عید ہے، تو اگر نماز سے پہلے ان کو پہنچ جائے تو بے چارے پکا کر کھالیں گے، یہ تو قومی ہمدردی ہے۔[2]

صدقۂ فطر سے متعلق لوگوں کی کوتاہیاں

بہت سے لوگوں کو یہ بھی خبر نہیں کہ خدا تعالیٰ نے صدقۂ فطر ادا کرنے کا حکم فرمایا ہے اور اس کو واجب کیا ہے، اور بہت سے لوگوں کا یہ خیال ہے کہ یہ ان ہی لوگوں کی طرف

[1] المصالح العقلیہ ص ۱۵۸۔ [2] الفطر ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ ص ۳۰۲۔

سے دیا جاتا ہے جنھوں نے روزے رکھے ہیں سو وہ بچوں کی طرف سے ادا نہیں کرتے۔

اور بہت سے لوگ خصوصاً دیہات والے صدقۂ فطر جمع کر کے مسجد کے مؤذن یا امام کو دے دیتے ہیں اور یہ نہیں کہ ان کی اجرت کے علاوہ ان کو علیحدہ سے مسکین سمجھ کر دیتے ہوں بلکہ ان لوگوں کو ایسے شرائط مقرر کر کے دیتے ہیں کہ تم یہ کام کرو تم کو یہ ملے گا، اس میں صدقۂ فطر بھی شمار کیا جاتا ہے تو اس طور پر وہ ان کے عمل کا عوض ہوا، جو کہ اجرت ہے اور اجرت دینے سے صدقۂ فطر ادا نہیں ہوتا، اس لیے ان دینے والوں کے ذمہ دوبارہ ادا کرنا ضروری ہوگا، البتہ اگر مقرر کرتے وقت تصریح کر دیں کہ صدقۂ فطر سے تمہارا کچھ واسطہ نہ ہوگا اور پھر محتاج سمجھ کر دے دیں وہ جائز ہے بشرطیکہ واقعی محتاج ہو، ورنہ اگر وہ مالدار (صاحب نصاب) ہو تو صدقۂ فطر ادا نہ ہوگا پھر سے دینا پڑے گا۔[۱]

صدقۂ فطر کن لوگوں پر واجب ہے

صدقۂ فطر صاحب نصاب کے ذمہ واجب ہے کہ وہ اپنی طرف سے اور اپنے نابالغ بچوں کی طرف سے ادا کرے، بالغ اولاد اور بیوی کی طرف سے واجب نہیں۔ اگر بیوی اور بالغ اولاد خود مالدار صاحب نصاب ہوں تو خود اپنی طرف سے ادا کریں ورنہ ان کے ذمہ بھی واجب نہیں۔

اگر گیہوں سے صدقہ فطر ادا کیا جائے تو پونے دو سیر ادا کرنا چاہئے اور اگر پورے دو سیر دے دے تو زیادہ بہتر ہے۔ (یعنی ایک کلو چھ سو تینتیس گرام ادا کرنا ضروری ہے)۔ اور اگر جَو دے تو اس کا دوگنا دے۔

فائدہ: جس کے پاس ضروریات زندگی کے علاوہ چھ سو بارہ گرام کی چاندی کی مالیت ہو، زیور کی شکل میں یا نقد روپیوں کی شکل میں، یا مالِ تجارت اور گھریلو سامان (جو اس

[۱] اصلاح انقلاب ص ۱۴۱۔ [۲] الفطر ص ۲۰۲، ملحقہ فضائل صوم۔

کی ضرورت سے زائد ہو) کی شکل میں اگر اتنا ہے کہ اس سے ۶۱۲ گرام چاندی خریدی جا سکتی ہے تو وہ صاحب نصاب ہے اس پر صدقہ فطر وقربانی واجب ہے اور زکوۃ لینا حرام ہے۔ (مرتب)

غریب محتاج افسوس نہ کریں کہ ہم صدقہ کیسے کریں

نادار اور غریب لوگ حسرت نہ کریں کہ ہم صدقۂ فطر کی برکات سے محروم ہیں، کیوں کہ صدقہ کچھ مال ہی میں منحصر نہیں ہے بلکہ کپڑا پہننا بھی صدقہ ہے، بیوی کے منہ میں لقمہ دینا بھی نیز خود کھانا بھی صدقہ ہے، مطلب یہ ہے کہ جب یہ امور سب اللہ کے واسطے بجالائے جائیں تو سب صدقات میں شمار ہوتے ہیں (اور ان میں بھی ثواب ملتا ہے) مثلاً بیوی کو اس نیت سے کھلائے کہ اس کا نان ونفقہ میرے ذمہ فرض ہے اس کو ادا کرتا ہوں اور اسی طرح کپڑا مثلاً اس نیت سے پہنے کہ حق تعالیٰ نے ستر ڈھکنے کو فرض اور باقی جسم کو چھپانے کو مستحب فرمایا ہے، سو اس نیت سے مباح بھی عبادت بن جاتا ہے اور دنیاوی امور بھی دینی عبادات ہو جاتے ہیں، لوگ سمجھتے ہیں کہ بیوی بچوں کی خدمت کرنا دنیا میں داخل ہے حالانکہ یہ بھی دین میں شمار ہے۔[1]

صدقۂ فطر سے متعلق ضروری مسائل

مسئلہ :- جو مسلمان اتنا مالدار ہو کہ اس پر زکوۃ واجب ہو یا اس پر زکوۃ واجب نہیں لیکن ضروری اسباب سے زائد اتنی قیمت کا مال واسباب ہے جتنی قیمت پر زکوۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر عید کے دن صدقہ دینا واجب ہے چاہے وہ سوداگری کا مال ہو، یا سوداگری کا نہ ہو، اور چاہے پورا سال گذر چکا ہو یا نہ گذرا ہو، اور اس صدقہ کو شرع میں صدقۂ فطر کہتے ہیں۔

مسئلہ :- کسی کے پاس رہنے کا بڑا بھاری گھر ہے کہ اگر بیچا جائے تو ہزار پانچ سو کا بکے، اور پہننے کے بڑے قیمتی قیمتی کپڑے ہیں مگر ان میں گوٹہ لچکا نہیں اور

[1] الفطر ملحقہ فضائل صوم وصلوۃ ص ۲۰۰۔

خدمت کے لیے دو چار خدمت گار ہیں، گھر میں ہزار پانچ سو کا ضروری اسباب بھی ہے مگر زیور نہیں اور وہ سب کام میں آیا کرتا ہے، یا کچھ اسباب ضرورت سے زیادہ بھی ہے اور کچھ گوٹہ لچکا اور زیور بھی ہے لیکن وہ اتنا نہیں کہ جتنے پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو ایسے پر صدقۂ فطر واجب نہیں ہے۔

مسئلہ :- کسی کے دو گھر ہیں ایک میں خود رہتا ہے اور ایک خالی پڑا ہے یا کرایہ پر دے دیا ہے تو یہ دوسرا مکان ضرورت سے زائد ہے اگر اس کی قیمت اتنی ہو کہ جتنی پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو اس پر صدقۂ فطر واجب ہے اور ایسے کو زکوٰۃ کا پیسہ دینا بھی جائز نہیں، البتہ اگر اسی پر اس کا گذارہ ہو تو یہ مکان بھی ضروری اسباب میں داخل ہو جاوے گا اور اس پر صدقۂ فطر واجب نہ ہوگا اور زکوٰۃ کا پیسہ لینا اور دینا بھی درست ہوگا، خلاصہ یہ ہے کہ جس کو زکوۃ اور صدقہ کا پیسا لینا درست ہے اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں اور جس کو صدقہ اور زکوٰۃ کا لینا درست نہیں اس پر صدقۂ فطر واجب ہے۔

مسئلہ :- کسی کے پاس ضروری اسباب سے زائد مال و اسباب ہے لیکن وہ قرض دار بھی ہے تو قرضہ مجرا کر کے دیکھو کیا بچتا ہے اگر اتنی قیمت کا اسباب بچ رہے جتنے میں زکوٰۃ واجب ہوتی ہے تو صدقۂ فطر واجب ہے اور اس سے کم بچے تو واجب نہیں۔

مسئلہ :- عید کے دن جس وقت فجر کا وقت آتا ہے اسی وقت یہ صدقہ واجب ہوتا ہے تو اگر کوئی فجر کا وقت آنے سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر صدقۂ فطر واجب نہیں، اس کے مال میں سے نہ دیا جائے گا۔

مسئلہ :- بہتر یہ ہے کہ جس وقت لوگ نماز کے لیے عیدگاہ میں جاتے ہیں، اس سے پہلے ہی صدقہ دے دے، اگر پہلے نہ دیا تو خیر بعد ہی سہی۔

مسئلہ :- کسی نے صدقۂ فطر عید کے دن سے پہلے ہی رمضان میں دیدیا تب بھی ادا ہو گیا، اب دوبارہ دینا واجب نہیں۔

مسئلہ :-اگر کسی نے عید کے دن صدقۂ فطر نہ دیا تو معاف نہیں ہوا، اب کسی دن دے دینا چاہئے۔

مسئلہ :-صدقۂ فطر فقط اپنی طرف سے واجب ہے کسی[1] اور کی طرف سے کسی کو ادا کرنا واجب نہیں، نہ بچوں کی طرف سے، نہ ماں باپ کی طرف سے، نہ شوہر کی طرف سے، نہ کسی اور کی طرف سے۔

مسئلہ :-اگر چھوٹے بچے کے پاس اتنا مال ہو کہ جتنے کے ہونے سے صدقہ واجب ہوتا ہے جیسے اس کا کوئی رشتہ دار مر گیا، اس کے مال سے اس کے بچہ کو حصہ ملا یا کسی اور طرح سے بچہ کو مال مل گیا تو اس بچہ کے مال میں سے صدقۂ فطر ادا کرے، لیکن اگر وہ بچہ عید کے دن صبح ہونے کے بعد پیدا ہوا ہو تو اس کی طرف سے صدقۂ فطر واجب نہیں۔

مسئلہ :-جس نے کسی رمضان کے روزے نہیں رکھے اس پر بھی یہ صدقہ واجب ہے اور جس نے روزے رکھے اس پر بھی واجب ہے، دونوں میں کچھ فرق نہیں۔

مسئلہ :-صدقۂ فطر میں اگر گیہوں کا آٹا یا گیہوں کے ستو دیوے تو اسی (۸۰) روپئے کے سیر یعنی انگریزی تول سے آدھی چھٹانک اوپر پونے دو سیر بلکہ احتیاط کے لئے پورے دو سیر یا کچھ زیادہ دے دینا چاہئے، کیوں کہ زیادہ ہو جانے میں کچھ حرج نہیں بلکہ بہتر ہے اور اگر جَو یا جو کا آٹا دیوے تو اس کا دونا دینا چاہئے۔

مسئلہ :-اگر گیہوں اور جو کے سوا کوئی اور اناج دیا جیسے چنا، جوار تو اتنا دیوے کہ اس کی قیمت اتنے گیہوں یا اتنے جو کے برابر ہو جاوے جتنے اوپر بیان ہوئے۔

---

[1] یہ حکم عورتوں کا ہے اور مرد پر نابالغ اولاد کی طرف سے دینا بھی واجب ہے لیکن اگر اولاد مالدار ہو تو باپ کے ذمہ واجب نہیں بلکہ انھیں کے مال میں سے دیوے اور بالغ اولاد کی طرف سے بھی دینا واجب نہیں، البتہ اگر کوئی لڑکا مجنون ہو تو اس کی طرف سے بھی دیوے۔

مسئلہ :-اگر گیہوں اور جو نہیں دیئے بلکہ اتنے گیہوں اور جو کی قیمت دیدے تو یہ سب سے بہتر ہے۔

مسئلہ :-اگر ایک آدمی کا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دے دیوے یا تھوڑا تھوڑا کر کے کئی فقیروں کو دے دیوے دونوں باتیں جائز ہیں۔

مسئلہ:-اگر کئی آدمیوں کا صدقۂ فطر ایک ہی فقیر کو دے دیا یہ بھی درست ہے۔

مسئلہ:-صدقۂ فطر کے مستحق بھی وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں۔[۱]

---

[۱] بہشتی زیور ص۱٦۱ ج۳۔

باب ۷

عید سے متعلق ضروری اصلاحات وہدایات

۱:-بعض لوگ عید کی نماز کا طریقہ ہی نہیں جانتے اور غضب یہ کہ اتنی توفیق ہی نہیں ہوتی کہ آٹھ دس دن پہلے ہی سیکھ لیں، اس سے زیادہ کیا لاپرواہی ہوگی۔

۲:-اکثر جگہ عید کی نماز بہت دیر میں پڑھتے ہیں حالانکہ صریح سنت اس کے خلاف آئی ہے (حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول جلدی نماز پڑھنے کا تھا)

۳:-ایک کوتاہی یہ کہ بعض لوگ جو اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں، عید گاہ کو چھوڑ کر اپنے محلّہ کی مسجد میں عید کی نماز پڑھتے ہیں، جس مسجد کی یہ فضیلت ہو کہ وہاں ایک نماز پچاس ہزار نمازوں کے برابر ہو یعنی مسجد نبوی، جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اس کو تو چھوڑ کر عمر بھر عید گاہ میں تشریف لے جائیں اور یہ حضرات اپنی مسجد کو عید گاہ پر ترجیح دیں۔

البتہ معذورین کے لیے اگر کسی شخص کو شہر میں پڑھانے کے لیے چھوڑ دیں تو اس کا مضائقہ نہیں، مگر مقتدا لوگ خود نہ رہیں۔

اپنے کسی متعلق امام کو چھوڑ دیں یا اتفاق سے کوئی عذر خود مقتدا کو یا عام لوگوں کو پیش آ جائے تو دوسری بات ہے، چنانچہ ایک بار خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بارش کے عذر کی وجہ سے مسجد میں عید کی نماز ادا فرمائی۔

۴:-ایک کوتاہی یہ کہ بہت سے لوگ عید میں ناجائز لباس پہن کر یا اپنے بچوں

کو پہنا کر جاتے اور لے جاتے ہیں، ایسے لباس سے فی نفسہ حرام ہونے کے علاوہ نماز کا قبول نہ ہونا بھی وارد ہے۔

۵:- ایک کوتاہی یہ کہ خطبہ سننے کو بالکل فضول امر سمجھتے ہیں اگر سب حاضرین ایسا ہی کریں تو خطیب امام خطبہ کس کے سامنے پڑھے اور بعض لوگ بیٹھتے ہیں مگر باتیں کرتے رہتے ہیں یہ اور بھی گناہ ہے۔[1]

۶:- بہت سے لوگ عیدین یا جمعہ میں اور نمازوں میں پہلے سے خود یا کسی نوکر دوست کے ذریعہ سے مسجد میں اپنا کپڑا یا تسبیح قبضہ کے لیے رکھ دیتے ہیں اور آزادی و بےفکری سے جب چاہتے ہیں تشریف لے جاتے ہیں، سو یہ بات بالکل شریعت کے خلاف ہے۔[2]

مسجد اور عیدگاہ میں بچوں کو لے جانے کی مذمت

ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا جَنِّبُوْا مَسَاجِدَ کُمْ صِبْیَانَکُمْ۔ یعنی اپنی مسجدوں سے اپنے بچوں کو علیحدہ رکھو۔

آج کل عام طور سے بچوں کو عیدگاہ میں لے جانے کا رواج ہو گیا ہے، جس کو دیکھو وہ اپنے ساتھ ایک دم چھلا ضرور لیے ہے اور حیرت تو یہ ہے کہ ہر سال تکلیف اٹھانے کے باوجود پھر بھی لوگوں کو اس کا ذرا بھی احساس اور تمیز نہیں ہوتی، شاید ہی کوئی سال ایسا ہوتا ہو کہ بچے عیدگاہ میں جا کر عین نماز کے وقت رونا چیخنا، چلانا نہ شروع کرتے ہوں، بلکہ ایک دو تو ان میں سے ہگ موت بھی دیتے ہیں، خود میرے سامنے کا واقعہ ہے، میرے زمانہ طالب علمی میں ایک میرے عزیز کم عمر بچے کو میرٹھ کی عیدگاہ میں لے گئے اور بچے نے عین نماز کے وقت قضاء حاجت کی فرمائش کی، اس کی فرمائش سن کر

[1] اصلاح انقلاب ص۱۴۲۔ [2] اصلاح الرسوم۔

سخت پریشانی ہوئی، اوّل تو عین نماز کا وقت، دوسرے میرٹھ کی عیدگاہ جس میں ہزاروں کا مجمع اور قریب میں ایسا کہیں جنگل بھی نہیں جس میں اس کو بٹھلا دیا جاتا، پھر نماز کھڑے ہونے کا وقت بالکل قریب، آخر یہ تجویز ہوئی کہ ایک حلوائی کو چار آنہ دئے گئے اس نے اپنے تخت کے نیچے ان کو بٹھلا لیا چاروں طرف سے کپڑا لٹکا ہوا تھا اوپر رنگ برنگ کی مٹھائی اور نیچے یہ تحفہ بھرا ہوا تھا[۱]

عیدگاہ بھی مسجد کے حکم میں ہے

ممکن ہے کہ کوئی صاحب عیدگاہ کو مسجد میں داخل نہ سمجھیں اس لیے استدلال مذکور کو کافی نہ سمجھیں تو ہم اس کا جواب یہ دیں گے کہ ''مساجدکم'' میں دو احتمال ہیں یا تو اس کو عام لیا جائے کہ مطلق مقام صلوٰۃ مراد ہے (یعنی جو بھی نماز کی جگہ ہو وہ مراد ہو) تب تو عیدگاہ کا اس حکم میں داخل ہونا بالکل ظاہر ہے۔

اور اگر اس کو عام نہ لیا جائے تو گو ان الفاظ میں عیدگاہ نہ ہوگی لیکن یہ دیکھنا چاہئے کہ اس حکم کی علت کیا ہے، سو ظاہر ہے کہ اس حکم کی علت یہی ہے کہ چونکہ بچے پاک وصاف نہیں ہوتے، ان کی آمد و رفت سے ایسی جگہ ملوث (گندگی) ہونے کا اندیشہ ہے جہاں نماز ہوگی، اور اس سے نماز میں خلل پڑے گا، اور یہ علت جیسے مسجد میں پائی جاتی ہے عیدگاہ میں بھی پائی جاتی ہے لہٰذا وہاں بھی یہی حکم جاری ہوگا، چنانچہ خود عیدگاہ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ وَلْيَعْتَزِلْنَ الْحُيَّضُ الْمُصَلّٰى[۲]

---

[۱] اکمال الصوم والعید، برکات رمضان ص ۴۶۲۔ [۲] اکمال الصوم والعید ص ۴۶۳۔

سات سال سے کم عمر بچوں کو مسجد وعیدگاہ میں نہ لے جانا چاہئے

ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے مُرُوْا صِبْیَانَکُمْ بِالصَّلٰوۃِ اِذَا بَلَغُوْا سَبْعًا جب بچے سات برس کے ہو جائیں تو ان کو نماز کا حکم کرو، اس حکم میں ''سبعاً'' (سات برس) کی قید آسانی کے لیے لگا دی ہے ورنہ یہ قید ضروری نہیں بلکہ جب بچہ ہوش والا ہو جائے اس کو نماز پڑھوانا چاہئے اگرچہ سات سال سے کم ہو، یہ خیال کر کے میں نے مدرسہ میں حافظ صاحب سے جو بچوں کو پڑھاتے ہیں ان سے کہا کہ سب لڑکوں سے نماز پڑھوائی جائے، خواہ ان کی عمر سات برس کی ہو یا اس سے کچھ کم ہو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، نماز کے بعد معلوم ہوا کہ ایک لڑکے نے جس کی عمر سات برس سے کم تھی جائے نماز پر پیشاب کر دیا، اس وقت سات سال کی قید کی حکمت معلوم ہوئی اور یہ سمجھ میں آیا کہ اس عمر سے پہلے (یعنی سات سال سے پہلے عموماً وعادۃً) اچھے برے کی تمیز نہیں آتی، واقعی شرعی احکام ایسے ہیں کہ ان کے خلاف کرنے سے جب نقصان سامنے آتا ہے تب ان کی تشریع کی حکمت اور وجہ معلوم ہوتی ہے[1]

عیدگاہ جا کر عید کی نماز ادا کرنے کی اہمیت

عیدگاہ کا اجتماع شریعت میں مطلوب ہے اس لیے اس موقع پر اگر اس میں کچھ مفاسد بھی شامل ہو جائیں تب بھی عیدگاہ جانا ترک نہ کیا جائے گا بلکہ اس کے بجائے ان مفاسد کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔

اور اگر کسی کو اس اجتماع کی مطلوبیت میں کلام ہو جیسا کہ اس وقت بعض نام کے مشائخ عیدگاہ کے بجائے اپنی اپنی مسجدوں ہی میں بلاضرورت صرف امتیاز کے لیے

[1] ملفوظات حکیم الامت ملحقہ دعوات عبدیت ص ۱۴/۸۴۔

عیدین کی نماز پڑھتے ہیں، تو میں اس کا ثبوت حدیث سے دیتا ہوں۔

دیکھئے مسجد نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام میں نماز پڑھنے سے پچاس ہزار نمازں کا ثواب ملتا ہے لیکن اس کثرت ثواب کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ اس موقع پر عید گاہ تشریف لے گئے ہیں اور مسجد نبوی میں نماز نہیں پڑھی، پس معلوم ہوا کہ عید گاہ کا اجتماع مہتم بالشان مطلوب ہے اور ممکن ہے کہ عید گاہ کے ثواب میں باعتبار کیفیت کے زیادتی ہو جاتی ہو، یعنی وہ ایک ثواب ہی ان پچاس ہزار ثواب سے زیادہ ہوتا ہو، اور اسی زیادتی کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد کو چھوڑ کر عید گاہ جاتے ہوں، اس کی ایسی مثال ہے کہ ایک بچے کے سامنے ایک اشرفی اور دس روپئے پیش کیے جائیں تو بچہ دس روپئے کو عدد میں زیادہ دیکھ کر انھیں اٹھالے گا، لیکن اگر کسی بڑے آدمی کے سامنے ان دونوں کو پیش کیا جائے تو وہ روپیوں کو چھوڑ کر اشرفی اٹھائے گا کیوں کہ گنتی میں گو ایک اور دس کا فرق ہے لیکن کیفیت میں وہ ایک دس زیادہ ہے، پس اسی طرح ممکن ہے کہ عید گاہ کے اجتماع میں باعتبار کیفیت کے اس قدر ثواب ہو کہ مسجد نبوی کے اجتماع میں وہ نہ ہو، عید کی نماز گو واجب ہے لیکن واجب بھی فرض کے ساتھ ملحق ہوتا ہے پس دونوں کا یکساں حکم ہوگا۔

اور عید گاہ کے اجتماع میں یہ بھی ایک حکمت ہے کہ مسلمان مختلف اطراف سے سمٹے ہوئے ایک میدان میں جمع ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں، اور ان کا اجتماع ان کے بدخواہوں (دشمنان اسلام) کے قلب پر مؤثر ہوتا ہے (ہیبت ڈالتا ہے) اور اس سے اسلامی شوکت ظاہر ہوتی ہے اور یہ ملت کے اعظم مقاصد میں سے ہے۔

اور ایک ادنیٰ راز یہ بھی ہے کہ سب کی عبادت مجتمع ہو کر جب سرکار میں (یعنی دربار خداوندی میں) پیش ہوگی، اگر بعض بھی قابل قبول ہوئیں تو اس کی برکت سے

بقیہ بھی مقبول ہوں گی، اور انھیں حکمتوں سے شریعت میں جماعت کا بہت اہتمام ہے [۱]

عیدین میں نماز، خطبہ اور زائد تکبیریں مقرر کرنے کی وجہ

عیدین میں خطبہ اور نماز اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع ذکر الٰہی اور شعائر دین کی تعظیم سے خالی نہ ہو۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ ہر قوم کے لیے ایک مخصوص دن ہوتا ہے جس میں وہ اپنے تجمل (خوشی وحسن) کا اظہار کرتے ہیں اور خوب زیب وزینت کے ساتھ اپنے شہروں (اور گاؤں) سے باہر نکلتے ہیں، اور یہ ایسی رسم ہے کہ عرب وعجم کی کوئی قوم اس سے خالی نہیں ہے۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں تشریف لائے تو ان کے بھی دو دن ایسے مقرر تھے کہ وہ ان میں لہو ولعب یعنی کھیل کود (تفریح) کرتے تھے، اس وقت آپ نے فرمایا کہ خدا تعالیٰ نے ان دنوں کے بجائے دوسرے دو دن اس سے بہتر دیئے ہیں اور وہ عید الفطر اور عید الاضحیٰ کے دن ہیں اور ان دو دنوں کے تبدیل کرنے کی ضرورت اس وجہ سے ہوئی ہے کہ لوگوں میں جو دن خوشی کا ہوتا ہے اس سے مقصود کسی نہ کسی مذہب کے شعار کا اظہار یا کسی مذہب کی موافقت ہوتی ہے۔

اس لیے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خیال ہوا کہ اگر ان کو آپ نے اسی حالت پر چھوڑ دیا تو ایسا نہ ہو کہ اس میں جاہلیت کی کسی رسم کی تعظیم یا زمانۂ جاہلیت کے اسلاف کے کسی طریقہ کی اشاعت کرنے لگیں، اس لیے آپ نے بجائے ان دنوں کے ایام عیدین کو مقرر فرمایا ہے کہ ان میں ملت ابراہیم حنیف کے شعائر کی عظمت ہے اور آپ نے اس دن تجمل (یعنی زیب وزینت کے اہتمام) کے ساتھ ذکر خدا اور دیگر عبادتوں کو بھی ملا دیا تا کہ مسلمانوں کا کوئی اجتماع صرف لہو ولعب نہ ہو بلکہ ان کے اکٹھے ہونے سے

[۱] اکمال الصوم والعید ص ۴۶۱-۴۶۲۔

اسلام کا کلمہ بلند ہو، لہٰذا تکبیر کہنا بھی مسنون کیا گیا۔

چنانچہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰكُمْ یعنی خدا تعالیٰ نے جو تم کو ہدایت فرمائی ہے اس پر اس کی بڑائی کو بیان کرو۔ اور تکبیر الٰہی میں چونکہ خدا تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اپنا انکسار پیش نظر ہوتا ہے اور اس میں شک نہیں کہ عیدین کے دنوں میں لوگ کثرت سے اپنی شان وشوکت اور زینت کا اظہار کرتے ہیں اس لیے اس کے مقابلہ میں یہ حکم ہوا کہ خدا تعالیٰ کی کبریائی (اور عظمت) بیان کرو اور اس کو مدنظر رکھو، کیوں کہ اسی نے تم کو اس دن شان وشوکت وزینت کی اجازت دی ہے۔

نیز جب جائز فعل کی کثرت کا اظہار ہو تو اس کو اعتدال پر لانے کے لیے اس کی ضد کو مقرر کیا (تاکہ تکبر نہ پیدا ہو جائے) لہٰذا عیدین میں جس میں تنعم وتجمل اور زینت کی کثرت ہوتی ہے، اور تکبیرات کی کثرت کو (جس کی حقیقت اللہ کی طرف متوجہ ہونا اور اس کی بڑائی کا استحضار کرنا ہے) بطور حفاظت وعلاج کے مقرر فرمایا ہے واللہ اعلم [۱]

عیدین کی نماز کا وقت

عیدین کی نماز کا وقت آفتاب کے اچھی طرح نکل آنے کے بعد شروع ہوتا ہے اور دوپہر (زوال) سے پہلے تک رہتا ہے۔

آفتاب کے اچھی طرح نکل آنے کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب کی زردی جاتی رہے اور روشنی ایسی تیز ہو جائے کہ نظر نہ ٹھہرے اس کی تعیین کے لیے فقہاء نے لکھا ہے کہ آفتاب ایک نیزے کی بقدر اونچا ہو جائے۔

عیدین کی نماز کا جلد پڑھنا مستحب ہے مگر عید الفطر کی نماز اول وقت سے کچھ دیر میں پڑھنا چاہئے [۲]

---

۱ المصالح العقلیہ ص۱۶۲ اص۱۶۳۔ ۲ بہشتی زیور ص۱۱/۲۲۔

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کا معمول

(حضرت تھانویؒ کے یہاں) نماز کی تبدیل اوقات کا اعلان ایک روز قبل موذن کے ذریعہ کرادیا جاتا ہے۔

اور عیدین کی نمازوں کے وقت کا اعلان کچھ دن قبل آویزاں کرادیا جاتا ہے خصوصاً جمعہ کے دن بھی (اعلان کرادیا جاتا ہے) تا کہ دیہات سے آنے والوں کو بھی وقت کا علم ہوجائے، چونکہ عیدالاضحیٰ کی نماز میں تعجیل (جلدی) مستحب ہے، اور عیدالفطر کی نماز میں تاخیر اس لیے ان دونوں نمازوں کے اوقات میں بھی فرق رکھا ہے یعنی عید الاضحیٰ کی نماز تو طلوع آفتاب کے ڈیڑھ گھنٹہ بعد ہوتی ہے اور عیدالفطر کی دو گھنٹہ بعد۔[1]

عیدین کی نماز سے متعلق ضروری احکام

مسئلہ :(۱)- شوال کے مہینہ کی پہلی تاریخ کو عیدالفطر کہتے ہیں اور ذی الحجہ کی دسویں تاریخ کو عیدالاضحیٰ، یہ دونوں دن اسلام میں عید اور خوشی کے دن ہیں ان دونوں دنوں میں دو رکعت نماز بطور شکریہ کے پڑھنا واجب ہے اگر زیادہ مجمع کی وجہ سے زیادہ توقف کی ضرورت ہو تو بھی مضائقہ نہیں۔ جمعہ کی نماز کی صحت و وجوب کے لیے جو شرائط ہیں وہی سب عیدین کی نماز میں بھی ہیں، سوائے خطبہ کے کہ جمعہ کی نماز میں خطبہ فرض اور شرط ہے اور نماز سے پہلے پڑھا جاتا ہے اور عیدین کی نماز میں شرط یعنی فرض نہیں، سنت ہے اور پیچھے پڑھا جاتا ہے مگر عیدین کے خطبے کا سننا بھی مثل جمعہ کے خطبہ کے واجب ہے یعنی اس وقت بولنا چالنا، نماز پڑھنا سب حرام ہے۔

---

[1] اشرف السوانح ۱۵/۲۔

عید کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں

عیدالفطر کے دن تیرہ چیزیں مسنون ہیں۔

(۱) شرع کے موافق اپنی آرائش کرنا (۲) غسل کرنا (۳) مسواک کرنا (۴) عمدہ سے عمدہ کپڑے پہننا جو پاس موجود ہوں (۵) خوشبو لگانا (۶) صبح کو بہت سویرے اٹھنا (۷) عیدگاہ میں بہت سویرے جانا (۸) قبل عیدگاہ جانے کے کوئی شیریں چیز مثل چھوہارے وغیرہ کے کھانا (۹) قبل عیدگاہ جانے کے صدقۂ فطر دے دینا (۱۰) عید کی نماز عیدگاہ میں جا کر پڑھنا یعنی شہر کی مسجد میں بلا عذر نہ پڑھنا (۱۱) جس راستے سے جائے اس کے سوا دوسرے راستہ سے واپس آنا (۱۲) پیادہ پا جانا (۱۳) اور راستے میں اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ وَ لِلّٰہِ الْحَمْدُ آہستہ آواز سے پڑھتے ہوئے جانا۔

عیدین کی نماز کا طریقہ

مسئلہ :(۲)-عیدالفطر کی نماز پڑھنے کا طریقہ یہ ہے کہ یہ نیت کرے نَوَیْتُ اَنْ اُصَلِّیَ رَکْعَتَیِ الْوَاجِبِ صَلٰوۃَ عِیْدِ الْفِطْرِ مَعَ سِتِّ تَکْبِیْرَاتٍ وَاجِبَۃٍ یعنی میں نے یہ نیت کی کہ دو رکعت واجب نماز عید کی چھ واجب تکبیروں کے ساتھ پڑھوں، یہ نیت کر کے ہاتھ باندھ لے اور ''سبحانک اللھم'' آخر تک پڑھ کر تین مرتبہ اللہ اکبر کہے اور ہر مرتبہ مثل تکبیر تحریمہ کے دونوں کانوں تک ہاتھ اٹھائے اور بعد تکبیر ہاتھ لٹکا دے اور ہر تکبیر کے بعد اتنی دیر توقف کرے کہ تین مرتبہ سبحان اللہ کہہ سکیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ لٹکائے بلکہ باندھ لے اور اعوذ باللہ اور بسم اللہ پڑھ کر سورہ فاتحہ اور کوئی دوسری سورت پڑھ کر حسب دستور رکوع سجدہ کر کے کھڑا ہو، اور اس دوسری رکعت میں پہلے سورہ فاتحہ اور سورت پڑھ لے،

اس کے بعد تین تکبیریں اسی طرح کہے لیکن یہاں تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ نہ باندھے بلکہ لٹکائے رکھے اور پھر تکبیر کہہ کر رکوع میں جاوے۔

مسئلہ:(۳)-بعد نماز کے دو خطبے منبر پر کھڑے ہو کر پڑھے اور دونوں خطبوں کے درمیان میں اتنی ہی دیر تک بیٹھے جتنی دیر جمعہ کے خطبہ میں بیٹھتا ہے۔

مسئلہ :(۴)-بعد نماز عیدین کے (یا بعد خطبہ کے) دعا مانگنا گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعین اور تبع تابعین سے منقول نہیں مگر چونکہ عموماً ہر نماز کے بعد دعا مانگنا مسنون ہے۔ اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعا مانگنا مسنون ہوگا۔

مسئلہ:(۵)-اگر کوئی شخص عید کی نماز میں ایسے وقت آ کر شریک ہوا ہو کہ امام تکبیروں سے فراغت کر چکا ہو، اور اگر رکوع میں آ کر شریک ہوا ہو تو اگر غالب گمان ہو کہ تکبیروں کی فراغت کے بعد امام کا رکوع مل جائے گا تو نیت باندھ کر تکبیر کہہ لے، بعد اس کے رکوع میں جائے اور اگر رکوع نہ ملنے کا خوف ہو تو رکوع میں شریک ہو جائے اور حالت رکوع میں بجائے تسبیح تکبیریں کہہ لے، مگر حالت رکوع میں تکبیریں کہتے وقت ہاتھ نہ اٹھائے، اور قبل اس کے کہ پوری تکبیریں کہہ چکے امام رکوع سے سر اٹھالے تو یہ بھی کھڑا ہو جائے اور جس قدر تکبیریں رہ گئی ہیں وہ اس سے معاف ہیں۔

مسئلہ:(۶)-اگر کسی کی ایک رکعت عید کی نماز میں چلی جائے تو جب وہ اس کو ادا کرنے لگے تو پہلے قراءت کر لے اس کے بعد تکبیر کہے اگر چہ قاعدہ کے موافق پہلے تکبیر کہنا چاہئے تھا لیکن چونکہ اس طریقہ سے دونوں رکعتوں میں تکبیریں پے در پے ہوئی جاتی ہیں اور یہ کسی صحابی کا مذہب نہیں ہے اس لئے اس کے خلاف حکم دیا گیا، اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے اور رکوع میں اس کو خیال آئے تو اس کو چاہئے کہ حالت رکوع

میں تکبیر کہہ لے پھر قیام کی طرف نہ لوٹے اور اگر لوٹ جائے تب بھی جائز ہے یعنی نماز فاسد نہ ہوگی لیکن ہر حال میں بوجہ کثرت ازدحام سجدہ سہو نہ کرے۔[1]

عید کی نماز کے بعد دعاء

عید کی نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد خصوصیت کے ساتھ دعاء مانگنا منقول نہیں دیکھا اور **دعوتھم** (جو ایک حدیث میں آیا ہے اس) سے استدلال ناتمام ہے کیوں کہ اس میں کسی محل کی تصریح نہیں کہ یہ دعاء کس وقت ہوتی ہے پھر خاص محل میں ان کے ہونے پر استدلال کرنا ظاہر ہے کہ غیر تمام ہے، ممکن ہے کہ یہ دعاء (جس کا ذکر حدیث پاک میں ہے) وہ ہو جو نماز کے اندر یا خطبہ کے اندر عام صیغوں سے کی جاتی ہے جو سب مسلمانوں کو شامل ہوتی ہے اور حاضرین پر اس کے برکات اول فائز ہوتے ہیں۔

لیکن خصوصیت کے ساتھ منقول نہ ہونے سے بدعت کا حکم لگانا بھی مشکل ہے کیوں کہ عمومات نصوص سے نماز کے بعد دعاء کرنے کی فضیلت ثابت ہے پس اس عموم میں اس کے داخل ہونے کی گنجائش ہے۔

اور اگر کوئی شخص خصوصیت سے منقول نہ ہونے کی وجہ سے اس کو ترک کرے اس پر بھی ملامت نہیں، بہر حال یہ مسئلہ ایسا مہتم بالشان نہیں ہے، دونوں جانب میں توسع ہے۔[2]

عید کی نماز کے بعد دعاء مانگنا اولیٰ ہے

سوال (۵۲۹): بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ عیدین کی نماز کے بعد یا خطبہ کے بعد دعاء مانگنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین

[1] بہشتی زیور ج ۱۱۔ [2] امداد الفتاویٰ ص ۶۰۴ سوال ص ۵۲۸۔

رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، اور اگر ان حضرات نے کبھی دعاء مانگی ہوتی تو ضرور نقل کی جاتی لہذا الغرض اتباع دعاء نہ مانگنا دعاء مانگنے سے بہتر ہے۔

اور فتاویٰ دارالعلوم میں لکھا ہے کہ ''اور دعاء مانگنا عیدین کی نماز کے بعد مثل تمام نمازوں کے مستحب ہے: **لعموم الادلة انتهى۔**''

سوال یہ ہے کہ دونوں عبارتوں میں تعارض معلوم ہوتا ہے، دونوں میں تطبیق کس طرح ہوگی؟

الجواب :- اول میں نفی نقل جزئی کی ہے، ثانی میں اثبات کلی سے ہے۔ فلا تعارض لیکن راجح میرے خیال میں ثانی معلوم ہوتا ہے (یعنی عید کے بعد دعاء کرنا) **وهو المعمول لی** (یعنی یہی میرا معمول ہے)

والا مرواسع، ولعل موافقة الجمهور اولیٰ (امدادالفتاویٰ ص۶۰۴/۱)

(خلاصہ یہ کہ) قواعد کلیہ شرعیہ سے اقرب یہی معلوم ہوتا ہے جو میرا اور میرے اکابر کا عمل بھی ہے یعنی عیدین کی نماز کے بعد دعاء کرنے کا معمول ہے۔[1]

اور اب بہشتی گوہر میں مسئلہ اس طرح ہے:

مسئلہ:- بعد نماز عیدین کے یا بعد خطبہ کے دعاء مانگنا گو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے صحابہ اور تابعین اور تبع تابعین رضی اللہ عنہم سے منقول نہیں، مگر چونکہ ہر نماز کے بعد دعاء مانگنا مسنون ہے اس لیے بعد نماز عیدین بھی دعاء مانگنا مسنون ہوگا۔[2]

عید کی نماز کے بعد دعاء مانگنا چاہئے نہ کہ خطبہ کے بعد

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ اس علاقہ میں یہ معمول ہے کہ بجائے عید کی نماز کے بعد کے عید کے خطبہ کے بعد منبر سے اتر کر مصلے پر بیٹھ کر دعاء

[1] امدادالفتاویٰ ص۶۰۵/۱۔ [2] بہشتی گوہر۔

مانگتے ہیں، یہ فعل شرعا کیسا ہے؟

جواب:- کہیں ثابت نہیں، اگر چہ دعاء ہر وقت جائز ہے مگر یہ تخصیص بلا دلیل شرعی ہے، البتہ مطلق نماز کے بعد دعاء کرنا آثار کثیرہ میں مشروع ہے، اور دبر الصلوۃ (یعنی نمازوں کے بعد کا وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے مطابق) دعاء کی قبولیت کا بھی وقت ہے، بہر حال نماز کے بعد دعاء نہ کرنا اور اس کے بجائے خطبہ کے بعد مقرر کرنا تغییر سنت (یعنی سنت طریقہ کو بدلنا) ہے اور قابل احتراز ہے، وہذا کلہ ظاہر۔ واللہ اعلم۔[1]

اس مسئلہ میں تشدد مناسب نہیں

ایک مولوی صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ عیدین میں نہ قبل الخطبہ نہ بعد الخطبہ دعاء منقول ہے تو نہیں، لیکن اگر کہیں معمول ہو التزام نہ ہو تو کلیات شرعیہ کی بناء پر کوئی حرج بھی نہیں، ایسی چیزوں کی بحث میں نہ پڑنا چاہئے جس میں شرعا وسعت ہو، اہتمام کے لائق اور بہت سی باتیں ہیں، لوگ ان کے چھوڑنے پر تو آمادہ نہیں جن میں کھلم کھلا دین کی تحریف کر رہے ہیں۔[2]

عید کی نماز کے بعد دعاء کس طرح مانگنا چاہئے

سوال:- (۵۳۲) بعد نماز عیدین قبلہ رو ہو کر دعاء مانگنا مسنون ہے یا دائیں بائیں طرف گھوم کر خطبہ کے بعد دعاء کرنا مسنون ہے، اور کس شان سے یعنی کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا کس طرف کو رخ کر کے دعاء کرنا چاہئے؟

الجواب:- بعد نماز عیدین یا بعد خطبہ دعا کرنا، خصوصیت کے ساتھ نظر سے

---

[1] امداد ص ۲۳/ ۱معارف حکیم الامت ص ۵۴۰۔ [2] الافاضات الیومیہ ص ۱۴۴/ ۵۔

نہیں گذرا، ظاہراً قواعد عامہ سے نماز ہی کے بعد دعاء بہتر معلوم ہوتی ہے؛ اسی ہیئت سے جیسے اور نمازوں کے بعد (مثلاً ظہر و مغرب کے بعد) ہے۔[1]

عید کی نماز کے بعد مصافحہ و معانقہ کرنا اور عید کی مبارکباد پیش کرنا

ایک صاحب نے سوال کیا کہ عید کے دن ''مبارک باد'' جو ملنے کے وقت کہتے ہیں اور مصافحہ کرنا کیسا ہے.؟

فرمایا کہ عید مبارک (یعنی مبارک باد پیش کرنا) تو درست ہے فقہاء نے بھی لکھا ہے، باقی مصافحہ سو اول ملاقات یعنی ملاقات کے شروع میں باتفاق علماء جائز ہے، اور وداع یعنی رخصتی کے وقت باختلاف علماء مشروع ہے، اور عید کا مصافحہ ان دونوں سے الگ ہے اس لیے بدعت ہے اور معانقہ (گلے ملنا) اور بھی قبیح (یعنی برا) ہے، لوگوں کی حالت یہ ہے کہ عید کی نماز سے پہلے تو باتیں کر رہے تھے نماز ختم ہوئی اور مصافحہ (ومعانقہ) کرنے لگے۔[2]

نماز کے بعد کا مصافحہ بدعت ہے۔[3]

سوال:-عیدین میں مصافحہ ومعانقہ جائز ہے یا نہیں؟

جواب :-قاعدہ کلیہ ہے کہ عبادات میں شارع علیہ السلام نے جو ہیئت اور کیفیت متعین فرمادی ہے اس میں تغیر وتبدل کرنا جائز نہیں اور مصافحہ چونکہ سنت ہے اس لیے عبادات میں سے ہے تو قاعدہ مذکورہ کے مطابق اس میں ہیئت و کیفیت منقولہ سے تجاوز (یعنی جو ہیئت و کیفیت منقول ہے اس سے آگے بڑھنا) جائز نہ ہوگا، اور شارع علیہ السلام سے صرف پہلی ملاقات کے وقت بالاتفاق یا رخصتی کے وقت بھی اختلاف

---

[1] امداد الفتاویٰ ۱/۷۰۶۔ [2] حسن العزیز ص ۳/۱۳۳۔ [3] الافاضات الیومیہ ص ۱/۲۹۸۔

کے ساتھ منقول ہے اب اس کے لیے ان دو وقتوں کے سوا اور کوئی موقع تجویز کرنا تغییر عبادت (یعنی عبادت کو بدلنا) ہے جو ممنوع ہے، لہٰذا عیدین کے بعد مصافحہ کرنا یا پنجگانہ نمازوں کے بعد مکروہ اور بدعت ہے، شامی میں اس کی تصریح موجود ہے۔[1]

عید کے دن سِویّاں پکانا

عید کے روز کی ایک رسم یہ ہے کہ ایک کھانے کو متعین کرلیا ہے کہ سویاں ہی پکائی جاتی ہیں، اس میں ایک مصلحت تھی جس کی وجہ سے اس کو اختیار کیا گیا ہے وہ یہ کہ اس کی تیاری میں (اور اس کو پکانے میں) زیادہ بکھیڑے کی ضرورت نہیں، اور عید کا دن کام کاج کا ہوتا ہے اور مستحب یہ ہے کہ کچھ کھا کر عیدگاہ جائے اس لیے آسان چیز کو اختیار کرلیا، اس کے بعد دوست احباب کے یہاں بھیجنے کا رواج ہوگیا۔[2]

عید کے روز سویاں پکانا بدعت نہیں

فرمایا ایک بار مجھ کو عید کے روز شیر (سویاں) پکانے کے متعلق بدعت کا شبہ ہوا، میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کو لکھا، حضرت نے جواب میں فرمایا کہ ایسے امور میں زیادہ کاوش نہیں کرنا چاہئے لوگ بدنام کرتے ہیں، اور عید کے روز سویوں کے پکانے کو کوئی عبادت اور دین نہیں سمجھتا جس سے بدعت ہونے کا شبہ ہو (کیوں کہ بدعت تو اس کو کہتے ہیں کہ غیر دین کو دین سمجھ کر کرے)۔

یہ جواب جو حضرت نے فرمایا یہی میری رائے ہے اس میں تنگی نہیں کرنی چاہئے، آج کل اعتدال بہت کم ہے، افراط وتفریط بہت زیادہ ہے۔

اگر خیال نہیں تو بڑی بڑی معصیتوں اور بدعتوں کا خیال نہیں ہوتا، اور خیال ہوتا ہے تو مباح تک کو صاف کرنے اور اس کو معصیت میں داخل کرنے کو تیار ہیں۔[3]

---

[1] امداد الفتاویٰ ص ۷۰۸/ ا شامی باب الاستبراء ص ۳۳۶/ ۵۔ [2] تطہیر رمضان ص ۳۷۔
[3] انفاس عیسیٰ ص ۶۱۴۔

عید کے روز سویاں پکانے کی شرعی حیثیت

اس تاریخ میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف اتنا ثابت ہے کہ آپ چند خرما (کھجور، چھوارے) نوش فرما کر عیدگاہ تشریف لے جاتے تھے، اگر رغبت اور لذت کے لیے دودھ، سویاں وغیرہ بھی اضافہ کرلے تو جائز ہے۔

مگر اس کا ایسا پابند نہ ہو جس سے مذکورہ مفاسد لازم آئیں، کبھی کبھی ناغہ بھی کر دیا کرے، گنجائش نہ ہونے کے وقت خواہ مخواہ پریشانی میں نہ پڑے اور گنجائش کے وقت بھی رسوم کا اتباع نہ کرے، بے تکلفی سے جو ہوجائے اس پر بس کرے۔[۱]

(عورتیں) سویاں پکانے کو بہت ضروری سمجھتی ہیں، شریعت میں یہ کوئی ضروری بات نہیں، اگر دل چاہے تو پکالو مگر اس میں ثواب مت سمجھو، دوسرے رشتہ داروں کے بچوں کو دینا یا رشتہ داروں کے گھر کھانا بھیجنا پھر اس میں ادلا بدلا رکھنا، اس کے لیے قرض لے کر ایسا کرنا اتنی پابندی بھی فضول ہی ہے، اور تکلیف بھی ہوجاتی ہے، اس لیے یہ سب قیدیں چھوڑ دینا چاہیئے۔[۲]

عید الفطر میں سویاں پکانا اور تقسیم کرنا ضروری نہیں

عید الفطر میں سویاں پکانا فی نفسہ مباح (جائز) ہے مگر لوگوں نے اس میں کچھ خرابیاں پیدا کر لی ہیں۔

۱:- اس کو ضروری سمجھتے ہیں حتی کہ اگر سویاں نہ پکائی جائیں تو گویا عید ہی نہیں ہوئی، ایسے التزام واہتمام کا خلاف شرع ہونا اوپر مذکور ہو چکا ہے۔

۲:- اس پابندی کی بدولت یہاں تک نوبت پہونچتی ہے کہ اگر پاس میں خرچ

[۱] اصلاح الرسوم ص ۱۳۵۔ [۲] بہشتی زیور۔

نہ ہوتو قرض لے کر گو سودی قرض ملے ضرور اس کا اہتمام کرتے ہیں۔

۳:-اس کے متعلق ایک موضوع روایت مشہور کی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے آٹا پکا کر مروڑیاں جمع کر کے سویاں پکائی تھیں یہ محض تہمت ہے، کہیں اس کا ثبوت نہیں۔

۴:-اور لینے دینے میں ریاو تفاخر ہونا یہاں بھی موجو ہے، اکثر اعزاوا قارب (رشتہ داروں) کو شرم اتارنے کے لیے دیا جاتا ہے خواہ گنجائش ہو یا نہ ہو، پھر دوسری جانب بھی اسی دن اگلی عید بقرعید کو نہایت ضروری سمجھ کر اس کا بدلہ دیا جاتا ہے خصوصیت نیوتہ (مروجہ لین دین میں بھی جس میں بدلہ دیا جاتا ہے) وہ یہاں بھی ہے، سویوں کا طباق (گری، چھوارے وغیرہ) جہاں اس نے اس کی بہو کو اور اس نے اس کی بہو کو لیا دیا (جیسا کہ مروج ہے) یہ نہایت نازیبا ہے، اسی دل لگی میں جانبین پر پورا بار ہو جاتا ہے۔(قرض تک کی نوبت آجاتی ہے)[۱]

تکبیر تشریق

تکبیر تشریق یعنی ہر فرض نماز کے بعد ایک مرتبہ اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لاَ اِلٰہَ اَلّاَ اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ کہنا واجب ہے بشرطیکہ وہ فرض جماعت سے پڑھا گیا ہو اور وہ مقام شہر ہو، یہ تکبیر عورت اور مسافر پر واجب نہیں، اگر یہ لوگ کسی ایسے شخص کے مقتدی ہوں جس پر تکبیر واجب ہے تو ان پر بھی تکبیر واجب ہو جائیگی، لیکن اگر منفرد اور عورت اور مسافر بھی کہہ لے تو بہتر ہے کہ صاحبین کے نزدیک ان سب پر واجب ہے۔

مسئلہ:-یہ تکبیر عرفہ یعنی نویں تاریخ کی فجر سے تیرھویں تاریخ کی عصر

[۱] اصلاح الرسوم ص ۱۳۵۔

تک کہنا واجب ہے، سب تیئیس نمازیں ہوئیں جن کے بعد تکبیر واجب ہے۔

مسئلہ:-اس تکبیر کا بلند آواز سے کہنا واجب ہے ہاں عورتیں آہستہ آواز سے کہیں۔

مسئلہ:-نماز کے بعد فوراً تکبیر کہنا چاہئے۔

مسئلہ:-اگر امام تکبیر کہنا بھول جائے تو مقتدیوں کو چاہئے کہ فوراً تکبیر کہہ دیں، یہ انتظار نہ کریں کہ جب امام کہے تب کہیں۔

مسئلہ:-عیدالاضحیٰ کی نماز کے بعد بھی تکبیر کہہ لینا بعض کے نزدیک واجب ہے۔[1]

---

[1] بہشتی گوہر۔

باب ۸

رؤیت ہلال سے متعلق ضروری ہدایات وتنبیہات

رویت ہلال کے ثبوت کے خاص قواعد وشرائط ہیں، اکثر لوگوں کی عادت ہوگئی ہے کہ چاند دیکھا اور تار دے دیا (فون کر دیا) اور جہاں دیا ہے، ان کو نہ شرائط کی خبر نہ احکام کی نہ کسی مفتی سے رجوع کیا، بس عید کرنے کو تیار ہوگئے، دوسروں کے بھی روزے تڑوا دیئے عید کرادی یہ سب ناجائز اور گناہ ہے۔

اس باب میں واجب ہے کہ واقعہ کی جو صورت ہو اس کو بعینہ کسی محقق عالم کے سامنے پیش کر دے اور وہ جو فتوی دیں اس پر عمل کرے، کیوں کہ جزئیات بے شمار ہیں اور کلیات بھی بہت ہیں پھر ان جزئیات کو کلیات میں داخل کرنا اس میں علم کی ضرورت پیش آتی ہے۔[۱]

۲:- میں نے بے علموں کے دیکھا ہے کہ محض افواہی خبر سن کر قبول کر لیتے ہیں ان کو یہ خبر نہیں کہ خبر کے حجت ہونے کے کیا شرائط ہیں؟

کبھی کہیں سے تار (یا فون) آ جانے کا اعتبار کر لیتے ہیں اور بڑا استدلال ان کا یہ ہوتا ہے کہ صاحب لاکھوں روپئے کی تجارت تار (اور فون) پر چلتی ہے پھر اس کا اعتبار کیوں نہ کریں۔

لیکن اگر کوئی ان سے پوچھے کہ گواہ کے پاس سمن آنے کے بعد اگر تار (یا فون)

---

[۱] تعدیل التقویم ص ۷۔

پر گواہی ادا کردے تو قانونا کیوں معتبر نہیں؟ اور تجارتی معاملات اور شہادت میں کیوں فرق ہے اور اس شہادت میں اور رویت ہلال کی شہادت میں کیا فرق ہے؟ تو اس کا معقول جواب نہیں دے سکتے۔[۱]

آسان طریقہ

اس کی اصلاح یہ ہے کہ ہر شخص اس میں دخل نہ دیا کرے، دوسرے کی رویت (دیکھنے) پر حکم لگانا تو بڑی بات ہے، مصلحت تو یہ ہے کہ خود اپنی رویت یعنی دیکھنے کو بھی ہر ایک کے روبرو بیان کرتا نہ پھرے بلکہ سب خبروں اور مشاہدات کو جمع کر کے کوئی عالم معتبر دیندار قریب ہوں تو ان کے پاس جا کر اور اگر دور ہوں اور خود نہ جا سکے تو دو تین عاقل دیندار آدمیوں کو ان کی خدمت میں حاضر کرا کے پوری صورت حال عرض کر دے اور جو فتویٰ دیں اس پر عمل کریں اور اگر اس فتوی میں کوئی شبہ خیال میں آئے تو عوام کے سامنے اس کو ظاہر نہ کریں کیونکہ اس سے دینی انتظام میں خلل پڑے گا، بلکہ اس شبہ کو بھی اسی عالم سے پیش کر کے حل کرے۔[۲]

علماء کے لیے ضروری مشورہ

تجربات کے بعد اب تو میں یہاں تک ضروری سمجھتا ہوں کہ جس جگہ متعدد علماء ہوں وہاں ایک عالم بھی دوسرے علماء کے مشورے کے بغیر اس باب میں اپنی تحقیق ورائے عوام کے سامنے ظاہر نہ کرے کیوں کہ ممکن ہے کہ دوسرے عالم کی رائے میں کچھ اختلاف ہو اور مختلف اقوال کے پھیل جانے سے عوام میں تشویش پھیل جائے بلکہ

[۱] اصلاح انقلاب ص۱۲۲/۱۔ [۲] اصلاح انقلاب ص۱۲۳۔

(ہونا یہ چاہئے کہ) سب مشورہ کر کے اور اگر اختلاف ہو تو آپس میں طے کر کے ایک قول منقح (متعین) کر دیں، وہی منقح قول عوام تک پہنچے اور جس عالم سے استفتاء کیا جائے ایک ہی جواب سب جگہ سے ملے اور اگر رائے میں اتفاق نہ ہو تو جو شخص زیادہ مرجع خلائق ہو (یعنی امت کا رجوع جس کی طرف زیادہ ہو) فتویٰ اس کے سپرد کریں اور باقی لوگ سکوت کریں (خاموش رہیں) اگر ان سے کوئی پوچھے تو اسی کی طرف حوالہ کریں خود خاموش رہیں، اس میں انشاء اللہ کبھی بدنظمی نہیں ہو سکتی [۱]

ہر جگہ رویت ہلال کمیٹی قائم کرنے کا طریقہ

فائدہ:- تشویشناک صورت حال دیکھ کر ایک مقام پر میں نے یہ انتظام کیا تھا کہ سب علماء متفق ہو کر خاص عالم کو اس باب میں محطّ خبر (ذمہ دار اور) مدار حکم ٹھیرا دیں کہ چاند سے متعلق جو خبر جس عالم کے پاس آئے وہ ان کی خدمت میں پہنچائی جائے، اور جو شخص جس عالم سے فتویٰ پوچھنے آئے وہ سائل کو ان ہی کے پاس بھیج دے اور جس کو کوئی اختلاف کرنا ہو، ان ہی سے ظاہر کرے۔

غرض عوام کو اختلاف کی اطلاع نہ ہو، اور حکم حاصل کرنے میں ان کو تشویش نہ ہو، اور اس قرارداد (یعنی رویت ہلال کمیٹی کے اس فیصلہ و تجویز) کے بعد اس کا اعلان کر دیا گیا، پس سب خلجانوں سے نجات ہو گئی تھی، اگر سب جگہ ایسا انتظام کر لیا جائے تو اتفاق سے قریب تر اور اختلاف سے بعید تر ہے۔

ایک انتظام یہ بھی ضروری ہے کہ چاند دیکھنے پر یا اس کی خبر سننے پر بلا ضرورت دوسرے مقامات پر تار (یا فون) نہ کر دیا کریں بلکہ کسی عامی شخص کے پوچھنے پر جواب نہ دیا کریں کیوں کہ دوسری جگہ عوام کے ہاتھ میں ایسی خبریں پہنچ جانے کے بعد ضرور

[۱] اصلاح انقلاب ص ۱۲۳

مفاسد پیش آتے ہیں جن کا بندوبست قابو سے باہر ہے اور شرعاً یہ ضروری ہے نہیں کہ دوسری جگہ خبر بھیجا کرو، البتہ کوئی عالم (ذمہ دار) دریافت کرے تو جواب دے دو، پھر وہ خود ہی شرعی حکم کے موافق عمل کریں گے اور کسی مفسدہ کا احتمال نہ ہوگا انشاء اللہ۔[1]

عید میں ۲۹ کے چاند کی تمنا کرنا

ایک صاحب نے عرض کیا کہ حضرت اس کی تمنا کرنا کہ ۲۹؍تاریخ کا چاند ہو کیسا ہے؟ فرمایا کہ محنت کم ہو، اجر پورا ہو، اس کی تمنا کرنا کیا بری بات ہے؟ کیا مشقت مقصود بالذات ہے؟[2]

رویت ہلال میں ریاضی اور اہل حساب وسائنس کے قول کو بنیاد بنانا درست نہیں

احکام کا مدار اس رویت (یعنی چاند دیکھنے) پر ہے جو شرعاً معتبر ہو، چاند کے چھوٹے بڑے ہونے سے استدلال کرنا، یا اہل حساب کے قول کا اعتبار کرنا یا کسی تجربہ پر بنیاد رکھنا درست نہیں جیسا کہ بعض عوام چاند کے بڑے ہونے سے اور بعض پڑھے لکھے لوگ جنتری کے دیکھنے سے شبہ میں پڑ جاتے ہیں۔

یا بعض لوگ اس (ریاضی) قاعدہ کو قطعی سمجھ کر کسی مفتی پر یا شاہدوں پر اعتراض کرنے لگتے ہیں کہ رجب کی چوتھی، رمضان کی پہلی ضرور ہوتی ہے، وغیر ذلک۔[3]

---

[1] اصلاح انقلاب ص۱۲۴؍۱۔ [2] الافاضات الیومیہ ص۳۶؍۲۔
[3] تعدیل التقویم ص۷۔

ریاضی قواعد کا کیوں اعتبار نہیں

(الغرض) محض قواعد ریاضیہ پر بناء کر کے تاریخ کی تعیین کا قطعی حکم لگا دینا جائز نہیں ۱؎

(کیوں کہ) اول تو مقدمات ریاضیہ (یعنی ریاضی حساب کے قواعد) بعض مخدوش بھی ہیں، دوسرے اس سے قطع نظر شریعت میں ان کا بالکل اعتبار نہیں کیا گیا۔ حدیث **نَحْنُ اُمَّةٌ اُمِّيَّةٌ لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْتَسِبُ، الشَّهْرُ هٰكَذَا وَهٰكَذَا** اس کی صریح نفی کر رہی ہے یعنی وقوع سے قطع نظر ان کا اعتبار کرنے کی نفی کر رہی ہے، اور یہ ہر قانون کو اختیار ہے کہ کسی امر کے واقع ہونے کے باوجود اس پر اپنے احکام مبنی نہ کرے، جیسے عدالت کے متعلق قانون ہے کہ حاکم اپنے عینی علم (اور مشاہدہ) پر ضابطہ کی شہادت کے بغیر عمل نہیں کر سکتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ حاکم کے علم کی واقفیت کی نفی کی گئی ہے (یا اس کو غلط اور جھوٹا سمجھا گیا ہے) بلکہ مطلب یہ ہے کہ واقعی ہونے کے باوجود اس پر حکم کا مبنی کرنا (اور اس پر مدار رکھنا) جائز نہیں رکھا گیا، اسی طرح یہاں سمجھ لیا جائے اس شرعی قانون پر خلاف عقل ہونے کا الزام نہیں لگایا جا سکتا، اور اس کا راز وہی ہے جس کی طرف حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے یعنی شریعت کا سہل قواعد پر مبنی ہونا نہ کہ دقائق پر ۲؎

اختلاف مطالع

قیاس کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ اختلاف مطالع معتبر ہو مگر حنفیہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد **لاَ نَكْتُبُ وَلاَ نَحْتَسِبُ** الخ کی بناء پر اس کا اعتبار نہیں کیا کیوں کہ

۱؎ تعدیل التقویم ص ۴۔ ۲؎ امداد الفتاویٰ سوال ۷۰ ص ۱۱۲ جلد ۲۔

قواعد ہیئت کی رعایت حرج سے خالی نہ تھا۔

حدیث مسطور کا مقتضیٰ یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہ ہو۔

اختلاف المطالع غير معتبر علىٰ ظاهر المذهب وعليه اكثر المشائخ وعليه الفتوىٰ(بحر عن الخلاصة) فيلزم اهل المشرق برؤية اهل المغرب اذا ثبت عندهم رؤية اولئک بطريق موجب قال الكمال الا خذ بظاهر الرواية احوط.[۱] **(در مختار ص ۲/۱۵٤)**

اس سے معلوم ہوا کہ مفتی بہ قول یہی ہے کہ اختلاف مطالع معتبر نہیں۔[۲]

---

۱ ترجمہ: ظاہر مذہب کے مطابق اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں ہے، اکثر مشائخ کا رجحان یہی ہے اور فتویٰ بھی اسی پر ہے (بحر خلاصہ) لہذا مشرق والے اگر چاند دیکھ لیں، ان کے دیکھنے سے مغرب والوں کو بھی حکم لازم ہو جائیگا بشرطیکہ ان کی رویت شرعی طریقہ کے مطابق ثابت ہو جائے۔

کمال فرماتے ہیں کہ ظاہر روایت کو اختیار کرنے ہی میں احتیاط ہے۔

فائدہ: متاخرین حنفیہ میں سے حافظ زیلعی نے شرح کنز میں لکھا ہے کہ بلاد بعیدہ میں اختلاف مطالع ہمارے نزدیک بھی معتبر ہے، لہذا بلاد بعید کی رویت کافی نہیں، متاخرین نے اسی قول پر فتویٰ دیا ہے حضرت علامہ کشمیریؒ اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے بھی اسی قول کو ترجیح دی ہے جیسا کہ حضرت مفتی شفیع صاحبؒ نے رویت ہلال میں صفحہ (۵۸) اٹھاون پر نقل کیا ہے۔

لیکن بلاد قریبہ اور بعیدہ کی تفریق کا کیا معیار ہوگا، ؟ اس کی وضاحت کتب فقہ میں نہیں ہے، البتہ علامہ عثمانیؒ نے فتح الملہم میں اس کا یہ معیار تجویز فرمایا ہے کہ جو بلاد اتنی دور ہوں کہ ان کے اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کرنے سے دو دن کا فرق پڑ جائے، وہاں اختلاف مطالع معتبر ہوگا (یعنی ایک جگہ کی رویت دوسری جگہ کے لیے کافی نہ ہوگی) کیوں کہ اگر ایسے بلاد بعیدہ میں بھی اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا جائے تو مہینہ یا اٹھائیس دن کا یا اکتیس دن کا ہوسکتا ہے جس کی شریعت میں کوئی نظیر نہیں۔

(رویت ہلال مصنفہ مفتی شفیع صاحب ص ۵۸ درس ترمذی حضرت مولانا محمد تقی صاحب عثمانی مدظلہ ص ۵۳۳)

۲ امداد الفتاویٰ سوال ۱۶۳/۱۶۴ ص ۱۰۷ جلد ۲، ص ۱۰۸، جلد ۲۔

تاریخ اور دن میں تو اختلاف مطالع معتبر نہیں اور وقت میں اختلاف مطالع معتبر ہے

بعض لوگ حنفیہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ انھوں نے روزہ میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا اور نماز میں کیا ہے، چنانچہ ظہر کا وقت مثلا ایک جگہ اس جگہ کے طلوع آفتاب کے اعتبار سے قرار دیا جاتا ہے اور دوسری جگہ دوسری جگہ کے طلوع آفتاب کے اعتبار سے، اور ایک جگہ کا اعتبار شمس دوسری جگہ نہیں کیا جاتا (کہ سب جگہ سب نمازوں کا ایک ہی وقت ہو حالانکہ طلوع جیسے شمس میں ہوتا ہے ویسا ہی قمر میں، پھر شمس وقمر میں یہ فرق کیسا؟

لیکن یہ اعتراض عدم تامل سے پیدا ہوا ہے۔

اصل میں مطالع کے متعلق جو احکام ہیں ان کی دو قسمیں ہیں، بعض تو ایام (دن) اور تاریخ سے متعلق ہیں یعنی کسی یوم کی تاریخ کے تحقق کا مدار آفتاب کے طلوع اور اس کے زوال وغروب پر ہے۔

تو حنفیہ نے ایام اور تاریخ کے باب میں تو اختلاف مطالع کا کہیں بھی اعتبار نہیں کیا، نہ شمس میں نہ قمر میں، چنانچہ اگر یہاں آج اگر جمعہ ہے تو تمام معظم معمورہ (آباد دنیا) میں جمعہ ہی ہوگا، گو کہیں گھنٹہ بھر پہلے جمعہ کا دن شروع ہو جائے اور کہیں گھنٹہ بھر بعد، لیکن یہ نہیں ہوسکتا کہ یہاں آج جمعہ ہو تو کہیں دوسری جگہ شنبہ یا پنجشنبہ ہو باقی غیر آباد دنیا اگر آباد ہو جائیں اور وہاں ایسا فرق ہو جائے تو وہ بحکم النادر کالمعدوم سمجھا جائے گا، اور ان کو آباد دنیا کے تابع قرار دیا جائے گا۔

تو جس طرح قمر سے تاریخ سب جگہ ایک ہی قرار دی اسی طرح شمس سے بھی

دن اور شمسی تاریخ سب جگہ ایک ہی قرار دی، یہ نہیں ہوا کہ قمر میں تو اختلاف مطالع کا اعتبار نہ کیا ہو اور شمس میں کیا ہو۔

اور اوقات کے بارے میں اختلاف مطالع کا ہر جگہ اعتبار کیا ہے شمس میں بھی اور قمر میں بھی، چنانچہ جس طرح ہر جگہ کا ''زوال'' کہ اس کا تعلق وقت سے ہے جدا جدا مانا ہے، اسی طرح عشاء کو (تہائی رات تک) مؤخر کرنا جو سقوط قمر لیل ثالثہ سے حدیث میں مقدر مانا گیا ہے سب جگہ جدا جدا مانتے ہیں۔

پس جس امر میں شمس میں اختلاف مطالع وغیرہ کا اعتبار کیا گیا ہے اس امر میں قمر میں بھی اس اختلاف کا اعتبار کیا ہے۔

اور روزہ کا تعلق تاریخ سے ہے اور نماز کا تعلق وقت سے ہے (لہذا روزہ میں اختلاف مطالع کا اعتبار نہیں کیا گیا اور نماز میں کیا گیا) لہٰذا روزہ اور نماز کے مابین افتراق پر کوئی شبہ لازم نہیں آتا (کیوں کہ) جس امر میں اختلاف مطالع معتبر ہے وہاں شمس وقمر دونوں کا اختلاف معتبر ہے یعنی وقت میں اور جس امر میں یہ اختلاف مطالع معتبر نہیں وہاں دونوں جگہ معتبر نہیں یعنی تاریخ اور یوم میں۔

فللّٰہ در الحنفیہ ماادق نظرھم وما اوسع خبرھم۔[1]

چاند دیکھنے کا حکم اور چاند دیکھنے کے وقت کی دعائیں

۱:- حدیث میں آیا ہے جب نیا چاند دیکھے تو یہ پڑھے!

اَللّٰھُمَّ اَھِلَّہٗ عَلَیْنَا بِالْیُمْنِ وَالاِیْمَانِ وَالسَّلامَۃِ وَالسَّلامِ التَّوْفِیْقِ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی رَبِّیْ وَرَبُّکَ اللہ .

۲:- اور یہ بھی دعاء آئی ہے **ھِلاَلُ رُشْدٍ وَخَیْرٍ.** (تین بار)

---

[1] ملفوظات خبرت ۳/۶۷۔

۳:-اور جب کسی وقت چاند پر نظر پڑے تو یہ دعاء پڑھے!

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شَرِّ ھٰذَا الْغَاسِقِ.

۴:- جب رجب کے مہینہ کا چاند دیکھے تو یہ دعا پڑھے!

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْ رَجَبَ وَشَعْبَانَ وَبَلِّغْنَا رَمَضَانَ.

(اے اللہ ہمارے لئے رجب وشعبان میں برکت دے اور ہم کو رمضان تک پہنچادے)۔

۱:-جن مہینوں میں کچھ شرعی اعمال ہیں (مثلاً شعبان، رمضان وغیرہ) ان کا چاند مہینہ کی ۲۹ کو دیکھنا واجب (علی الکفایہ) ہے بلکہ اور بھی ایک ماہ قبل سے مستحب ہے۔

۲:-درمختار میں لکھا ہے کہ رویت ہلال (یعنی چاند دیکھنے) کے وقت اس کی طرف اشارہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ عمل عہد جاہلیت کا ہے۔[1]

خطبۃ عید الفطر

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الْمُنْعِمِ الْمُحْسِنِ الدَّیَّانِ ذِیْ الْفَضْلِ وَالْجُوْدِ وَالاِحْسَانِ، ذِیْ الْکَرَمِ وَالْمَغْفِرَۃِ وَالاِمْتِنَانِ "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" وَنَشْھَدُ اَن لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَاشَرِیْکَ لَہٗ وَنَشْھَدُ اَنَّ سَیِّدَ نَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہُ الَّذِیْ اُرْسِلَ حِیْنَ شَاعَ الْکُفْرُ فِی الْبُلْدَانِ، صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی آلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ مَا لَمَعَ الْقَمَرَانِ وَتَعَاقَبَ الْمَلْوَانِ، "اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ" اَمَّا بَعْدُ، فَاعْلَمُوْا اَنَّ یَوْمَکُمْ ھٰذَا یَوْمُ عِیْدٍ لِلّٰہِ عَلَیْکُمْ فِیْہِ عَوَآئِدُ

[1] تعدیل التقویم۔

الاِحْسَان، وَرَجَآءُ نِيْلِ الدَّرَجَاتِ وَالْعَفْوِ وَالْغُفْرَانِ، ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' وَقَدْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِكُلِّ قَومٍ عِيْدًا وَهٰذَا عِيْدُنَا ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' وَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا كَانَ يَوْمُ عِيْدِهِمْ يَعْنِيْ يَوْمَ فِطْرِهِمْ بَاهٰى بِهِمْ مَّلٰٓئِكَتَهُ فَقَالَ يَا مَلٰٓئِكَتِيْ مَاجَزَآءُ اَجِيْرٍ وَفّٰى عَمَلَهُ قَالُوْا رَبَّنَا جَزَآءُهٗ اَنْ يُّوَفّٰى اَجْرُهُ قَالَ مَلٰٓئِكَتِيْ عَبِيْدِيْ وَاِمَآئِيْ قَضَوْا فَرِيْضَتِيْ عَلَيْهِمْ ثُمَّ خَرَجُوْا يَعُجُّوْنَ اِلَى الدُّعَآءِ وَعِزَّتِيْ وَجَلَالِيْ وَكَرَمِيْ وَعُلُوِّيْ وَارْتِفَاعِ مَكَانِيْ لَاُجِيْبَنَّهُمْ فَيَقُوْلُ ارْجِعُوْا قَدْ غَفَرْتُ لَكُمْ وَبَدَّلْتُ سَيِّاٰتِكُمْ حَسَنَاتٍ قَالَ فَيَرْجِعُوْنَ مَغْفُوْرًا لَّهُمْ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' وَهٰذَا الَّذِيْ ذُكِرَ فِيْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ كَانَ فَضْلُهُ وَاَمَّا اَحْكَامُهُ مِنْ صَدَقَةِ الْفِطْرِ وَالصَّلٰوةِ وَالْخُطْبَةِ قَدْ كَتَبْنَاهَا فِي الْخُطْبَةِ الَّتِيْ قَبْلَهُ، نَعَمْ بَقِيَتِ الْمَسْئَلَتَانِ فَنَذْكُرُ همَا اَلآنَ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' اَلاَوَّلُ قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَهُ سِتًّا مِنْ شَوَّالٍ كَانَ كَصِيَامِ الدَّهْرِ، اَلثَّانِيَةُ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيهِ وَسَلَّمَ يُكَبِّرُ بَيْنَ اَضْعَافِ الْخُطْبَةِ يُكْثِرُ التَّكْبِيْرَ فِيْ خُطْبَةِ الْعِيْدَيْنِ ''اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ'' اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ، قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى.

خطبة عيد الأضحى

"اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ جَعَلَ لِكُلِّ اُمَّةٍ مَّنْسَكًا لِيَذْكُرُوْا اسْمَ اللّٰهِ عَلٰى مَا رَزَقَهُمْ مِّنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ وَعَلَّمَ التَّوْحِيْدَ وَاَمَرَ بِالْاِسْلَامِ "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" وَنَشْهَدُ اَنَّ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَنَشْهَدُ اَنَّ سَيِّدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهُ الَّذِیْ هَدَانَا اِلٰى دَارِالسَّلَامِ، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَعَلٰى اٰلِهٖ وَاَصْحَابِهِ الَّذِيْنَ قَامُوْا بِاِقَامَةِ الْاَحْكَامِ، وَبَذَلُوْآ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ فِی سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَالَهُمْ مِنْ كِرَامٍ، وَسَلَّمَ تَسْلِيْمًا كَثِيْراً، "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" اَمَّا بَعْدُ فَاعْلَمُوْا اَنَّ يَوْمَكُمْ هٰذَا يَوْمُ عِيْدٍ شَرَعَ لَكُمْ مَا فِيْهِ مَعَ اَعْمَالٍ اُخَرَ قَدْ سَبَقَتْ فِیَ الْخُطْبَةِ قَبْلَ هٰذَا الْعَشْرِ ذَبْحُ الْاُضْحِيَّةِ. بِالْاِخْلَاصِ وَصِدْقِ النِّيَةِ، وَبَيَّنَ نَبِيُّهٗ وَصَفِيُّهٗ صَلَّى اللّٰه عليه وسلم وُجُوْبَهَا وَفَضَآئِلَهَا، وَدَوَّنَ عُلَمَآءُ اُمَّتِهٖ مِنْ سُنَنِهٖ فِیْ كُتُبِ الْفِقْهِ مَسَآئِلَهَا "اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ" فَقَدْ.[۱]

قَالَ عَلَيْهِ الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ مَاعَمِلَ ابْنُ آدَمَ مِنْ عَمَلٍ يَوْمَ النَّحْرِ اَحَبَّ اِلَى اللّٰهِ مِنْ اِهْرَاقِ الدَّمِ وَاِنَّهٗ لَيَاتِیْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ بِقُرُوْنِهَا وَاَشْعَارِهَا وَاَظْلَافِهَا وَاِنَّ الدَّمَ لَيَقَعُ مِنَ اللّٰهِ بِمَكَانٍ قَبْلَ اَنْ يَقَعَ بِالْاَرْضِ فَطِيْبُوْا بِهَا

۱ ترمذی وابن ماجہ ص:۱۲۔

نَفُسًا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ'' وَقَالَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلّم یَارَسُوْلَ اللّٰہِ مَا ھٰذِہٖ الاَضَاحِیُّ قَالَ سُنَّۃُ اَبِیْکُمْ اِبْرَاھِیْمَ عَلَیْہِ السَّلامُ قَالُوْا فَمَا لَنَا فِیْھَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ حَسَنَۃٌ قَالُوْا فَالصُّوفُ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ بِکُلِّ شَعْرَۃٍ مِنَ الصُّوْفِ حَسَنَۃٌ، ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ''[1] وَقَالَ عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلامُ مَنْ وَّجَدَ سَعَۃً لاَنْ یُضَحِّیَ فَلَمْ یُضَحِّ فَلا یَحْضُرْ مَصَلَّانَا ''اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَآ اِلٰـہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ''، وَقَالَ ابنُ عُمَرَ الاَضَاحِیُّ یَوْمَانِ بَعْدَ یَوْمِ الاَضْحیٰ. وَعَنْ عَلِیٍّ مِثْلُہٗ وَھٰذاً بَعْضٌ مِّنَ الفَضَائِلِ وَتَعَلَّمُوْا مِنَ الْعُلَمَآءِ الْمَسَائِلَ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ، لَنْ یَّنَالَ اللّٰہَ لُحُوْمُھَا وَلاَ دِمَاءُ ھَا وَلٰکِنْ یَّنَالُہُ التَّقْوٰی مِنْکُمْ کَذٰلِکَ سَخَّرَھَا لَکُمْ لِتُکَبِّرُوْا اللّٰہَ عَلیٰ مَا ھَدٰکُمْ وَبَشِّرِ الْمُحْسِنِیْنَ.

الخطبة الاخيرة لجميع الخطب

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَسْتَعِیْنُہٗ وَاسْتَغْفِرُہٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مِنْ یَّھْدِی اللّٰہُ فَلا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْ فَلاَ ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لاَ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لاَ شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ اَرْسَلَہٗ بِالْحَقِّ بَشِیْراً وَّنَذِیْراً بَیْنَ یَدَی السَّاعَۃِ مَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِھِمَا فَاِنَّہٗ لاَ یَضُرُّ اِلَّا نَفْسَہٗ وَلاَ یَضُرُّ اللّٰہَ شَیْئاً اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اِنَّ اللّٰہَ وَمَلٰئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ، یَا اَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْا صَلُّوا

[1] عینی ترغیب عن الحاکم مرفوعاً۔

عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْماً اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ عَبْدِکَ وَرَسُوْلِکَ وَصَلِّ عَلٰى الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمَاتِ وَبَارِکْ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّاَزْوَاجِهٖ وَذُرِّيَّتِهٖ قَالَ النَّبِیُّ صلى الله عليه وَسَلَّم اَرْحَمُ اُمَّتِیْ بِاُمَّتِیْ اَبُوْبَکْرٍ وَّاَشَدُّهُمْ فِیْ اَمْرِ اللهِ عُمَرُ وَاَصْدَقُهُمْ حَيَاءً عُثْمَانُ وَاَقْضَاهُمْ عَلِیٌّ وَفَاطِمَةُ سَيِّدَةُ نِسَاءِ اَهْلِ الْجَنَّةِ وَحَمْزَةُ اَسَدُ اللهِ وَاَسَدُ رَسُوْلِهٖ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْعَبَّاسِ وَوَلَدِهٖ مَغْفِرَةً ظَاهِرَةً وَبَاطِنَةً لاَ تُغَادِرُ ذَنْباً، اَللّٰهَ اَللّٰهَ فِیْ اَصْحَابِیْ لاَ تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضاً مِّنْ بَعْدِیْ فَمَنْ اَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّیْ اَحَبَّهُمْ وَمَنْ اَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِیْ اَبْغَضَهُمْ وَخَيْرُ اُمَّتِیْ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ ثُمَّ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ وَالسُّلْطَانُ ظِلُّ اللهِ فِی الاَرْضِ مَنْ اَهَانَ سُلْطَانَ اللهِ فِی الاَرْضِ اَهَانَهُ اللهُ، اِنَّ اللهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالاِحْسَانِ وَاِيْتَاءِ ذِی الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْکَرِ وَالْبَغْیِ يَعِظُکُمْ لَعَلَّکُمْ تَذَکَّرُوْنَ، فَاذْکُرُوْنِیْ اَذْکُرْکُمْ وَاشْکُرُوْا لِیْ وَلاَ تَکْفُرُوْنِ .